

شاہ ولی اللہ  
اور  
اُن کے اصحاب

از  
حکیم محمود احمد برکاتی

مکتبہ جانی دہلی  
ملک جامعہ ملیہ





شاہ ولی اللہ  
اور  
اُن کے اصحاب

از  
حکیم محمود احمد برکاتی

مکتبہ جامعہ ملیہ  
دہلی



### صدر دفتر

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ 110025

### شاخیں

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، (ایریکنڈیشنڈ) بھوپال گراؤنڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ 110025

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ اردو بازار۔ جامع مسجد دہلی۔ 110006

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ پرنس بلڈنگ۔ ممبئی 400003

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ یونیورسٹی مارکیٹ۔ علی گڑھ۔ 202002

اشاعت اول: ادارہ یادگار غالب، کراچی ۲۰۰۴ء

اشاعت دوم: ہندستانی اڈیشن مارچ ۲۰۰۶ء تعداد: 500 قیمت: 175/- روپے

لبرٹی آرٹ پریس (پروپرائٹرز: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ) چودری ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی۔ ۲ میں طبع ہوئی

## معروضہ

”ادارہ یادگار غالب“ کی زیر نظر تصنیف ایک ایسے وقت میں منظر عام پر آرہی ہے جب ادارے نے اور اس کی غالب لائبریری نے اپنے ایک نئے دور کا آغاز کیا ہے۔ ادارے کی تاریخ کو اپنے قیام سے اب تک تین ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ۱۹۶۸ء سے جب یہ ادارہ قائم ہوا تو اس کے بانی مہتمم عمومی مرزا ظفر الحسن کے انتقال (۱۹۸۴ء) تک یہ اپنے تشکیلی دور میں رہا۔ مرزا صاحب کے بعد اس کا اہتمام اس کی مجلس نظما نے سنبھالا اور اس کے قریب قریب تمام امور مشفق خواجہ صاحب کی نگرانی میں انجام پاتے رہے اور وہی ادارے کے معاملات اور ”غالب لائبریری“ کے انتظامات انجام دیتے رہے۔ خواجہ صاحب کی رحلت (فروری ۲۰۰۵ء) کے بعد سے اس ادارے کا تیسرا دور شروع ہوا ہے۔ اور اس تیسرے دور کی یہ اولین اشاعت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

خواجہ صاحب نے اپنے دور میں ادارے کے علمی و اشاعتی منصوبوں میں بے حد دلچسپی لی اور کتابوں کے انتخاب اور ان کی ترتیب و اشاعت میں بڑی تندہی اور جانفشانی کا ثبوت دیا۔ ان کے منتخب منصوبے افسوس کہ تمام تر ان کی زندگی میں منظر عام پر نہ آسکے اور متعدد ایسے کام جو تکمیل کے آخری مراحل میں تھے ان کی رحلت کے بعد اب شائع ہو رہے ہیں۔ ادارے کی خواہش اور کوشش ہے کہ وہ تمام منصوبے یکے بعد دیگرے حتی المقدور شائع ہو جائیں اور یہ سلسلہ اسی آب و تاب سے جاری رہے جو خواجہ صاحب مرحوم کی بھی خواہش تھی۔

زیر نظر تصنیف فاضل اجل حکیم ڈاکٹر محمود احمد برکاتی صاحب کی محنت شاقہ کا نتیجہ ہے۔ حکیم صاحب اس کتاب کے موضوع پر ایک استناد کا درجہ رکھتے ہیں اور ان کی اس موضوع پر ایک سابقہ تصنیف ”شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان ہمارے علمی و تحقیقی ذخیرے میں بیش بہا اضافہ سمجھی گئی ہے۔ زیر نظر تصنیف میں حکیم صاحب نے اپنے اس موضوع کو مزید وسعت دی ہے اور نہایت وقیع اور ناگزیر مآخذ کی مدد سے بے حد اہم انکشافات کیے ہیں اور قیمتی معلومات کا خزانہ اہل علم کی خدمت میں پیش کیا ہے۔ ادارہ اس تصنیف کی اشاعت کو اپنے لیے اور اپنے اس نئے دور کے لیے فال نیک سمجھتا ہے۔

یقین ہے کہ قارئین اس کتاب سے خاطر خواہ استفادہ فرمائیں گے اور ادارے کے ساتھ تعاون کی اپنی روایت کو وسعت دیں گے۔

معین الدین عقیل

## فہرست مضامین

۶	پیش لفظ
۷	سنین حیات شاہ ولی اللہ
۸	حیات شاہ ولی اللہ کے چند ماخذ
۱۰	تصانیف شاہ ولی اللہ
۱۳	تلامذہ و مسترشدین شاہ ولی اللہ
۱۶	چند خاص تلامذہ
۲۳	شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان کی تحریرات میں تحریفات
۲۱	القول الجلی کی بازیافت
۵۸	شاہ ولی اللہ کے حالات، شاہ عبدالعزیز کی زبانی
۷۳	شاہ ولی اللہ کے فارسی اشعار
۸۵	تحریک ولی اللہی
۹۵	مدرسہ رحیمیہ
۱۰۶	مدرسہ رحیمیہ کا نصاب تعلیم
۱۱۲	شاہ الملک اللہ
۱۲۷	شاہ محمد عاشق

۱۳۶	تصانیف و تالیفات
۱۴۱	متفرق تحریریں
۱۴۶	شاہ محمد دہلوی
۱۴۹	شاہ عبدالعزیز
۱۵۷	شاہ رفیع الدین
۱۶۵	شاہ عبدالقادر
۱۶۷	شاہ عبدالغنی
۱۶۹	شاہ محمد اسحاق
۱۷۱	شاہ محمد یعقوب
۱۷۹	شاہ مخصوص اللہ
۱۸۳	شاہ محمد موسیٰ
۱۸۸	ملا عبدالقیوم
۱۹۲	شاہ محمد اسماعیل
۱۹۳	شاہ محمد عمر
۱۹۵	مولوی سید ظہیر الدین احمد
۲۰۳	مولوی سید عبدالغنی
۲۰۶	مولوی سید عبداللہ
۲۰۹	مولوی عبدالحمید سواتی
۲۱۲	کتابیات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## پیش لفظ

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی پر میرے چند مضامین کا مجموعہ پیش خدمت ہے، ان میں سے چند مضامین تازہ ہیں اور چند برسوں پہلے لکھے گئے اور شائع ہوئے تھے، لیکن اب وہ ترمیم و تصحیح و اضافہ ہونے کے بعد شائع کیے جا رہے ہیں۔

حال ہی میں شاہ صاحب کی سب سے پہلی اور مستند سوانح حیات القول لکھی اور ان کے مکاتیب کا مجموعہ شائع ہوئے ہیں، جن سے بہت سی نئی باتیں معلوم ہوئی ہیں، بہت سی غلط باتوں کی تصحیح ہوئی ہے، کئی جمل باتوں کی تفصیل معلوم ہوئی ہے۔ مثلاً میں نے ۱۹۶۵ء میں شاہ صاحب کے بڑے اور گم نام صاحب زادے شاہ محمد پر ایک مضمون لکھا تھا (ماہنامہ "قاران" کراچی ۱۹۶۵ء) جس میں شاہ محمد کے وجود پر دلیلیں پیش کی گئی تھیں کہ شاہ صاحب کے چار نہیں پانچ صاحب زادے تھے اور شاہ محمد سب سے بڑے تھے لیکن موجودہ مضمون ان کے وجود پر استدلال کے بجائے ان کے حالات پر مشتمل ہے۔

ملا عبد القیوم بڑھانوی (داماد شاہ محمد اسحاق) نے شاہ صاحب کے خاندان کے حالات پر مشتمل ایک تحریر املا کروائی تھی۔ ملا عبد القیوم کے خاندان کے ذمی علم رکن احمد مصطفیٰ صدیقی نے اس تحریر پر مدد سے میرے کئی تصحیحات و اغلاط کی نشان دہی فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔ مولانا نور الحسن راشد کے ایک مضمون سے بھی میں نے استفادہ کیا ہے، میں ان کے لیے تشکر بربہ ہوں۔

طالب علم

محمود احمد برکاتی

کراچی، یکم دسمبر ۲۰۰۳ء



## شاہ صاحب کے سنین حیات

ولادت ۱۱۱۳ھ / ۱۷۰۳ء

ازدواج ۱۱۲۸ھ

فراغت درس، اجازت بیعت و ارشاد ۱۱۲۹ھ

وفات والد ۱۱۳۱ھ

ناکام عزم سفر حج ۱۱۳۲ھ

سفر حج ۱۱۳۳ھ / ربیع الاول

مکہ معظمہ ۱۱۳۳ھ / ۱۵ ذی قعدہ

مدینہ منورہ ۱۱۳۳ھ / ربیع الاول

تالیف المقدمۃ السنیہ ۱۱۳۳ھ

مکہ معظمہ ۱۱۳۳ھ / ۱۵ شعبان

حج ثانی ۱۱۳۳ھ / ذی الحجہ

سفر مراجعت ۱۱۳۵ھ

ورود دہلی ۱۱۳۵ھ / ۱۳ رجب

دہلی سے پھلت ۱۱۵۰ھ

پھلت سے دہلی ۱۱۵۹ھ / شعبان

بڈھانہ عارضی انتقال سکونت ۱۱۷۳ھ

دہلی واپسی ۱۱۷۵ھ / ۸ ذی الحجہ

وصال ۱۱۷۶ھ / تیمم حرم الحرام

## شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان کے سلسلے میں چند مآخذ

ابوالفیض کمال الدین محمد احسان	ابروفصیحہ التیومیہ
شاہ غلام علی	مقامات مظہری
نواب غازی الدین خان	مناقب فخریہ
نور الدین حسین فخری	فخر الطالبین
شاہ محمد عاشق	القول الجلی
شاہ محمد عاشق	مقدمہ الخیر اللثیر
شاہ عبدالرحمن / شاہ محمد عاشق	مکتوبات شاہ ولی اللہ
نثار احمد فاروقی	نادر مکتوبات (ترجمہ مکتوبات)
خلیق احمد نظامی	شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات
مرتبہ خواجہ محمد امین ولی اللہی	مکتوبات مع مناقب امام بخاری
شاہ ولی اللہ	انفاس العارفین
سہارن پور	مکتوبات المعارف
تالیف ۱۸۱۷ء	ملفوظات شاہ عبدالعزیز
مولوی عبدالقادر	وقائع عبدالقادر خانی
مرزا علی لطف	گمشدہ بند
سعادت یار خان رنگین	تصنیف رنگین
سر سید	آثار الصنادید
محسن تربتی	بیان الجہنمی فی اسانید الشیخ عبدالغنی

تالیف ۱۸۷۳ء	نواب مبارک علی خاں	کلمات عزیز
۱۸۷۳ء	عبدالرحیم ضیا	مقالات طریقت
۱۸۸۰ء	نواب صدیق حسن خاں	ابجد العلوم
۱۲۸۸ھ	نواب صدیق حسن خاں	اتحاف النبلا
۱۲۸۸ھ	نواب صدیق حسن خاں	الخطبة بذكر الصحاح الستة
۱۲۸۸ھ	فقیر محمد جہلمی	حدائق الحنفیہ
۱۸۹۰ء	رحمان علی	تذکرہ علماء ہند
مطبوعہ ۱۸۹۲ء	مرزا محمد بیگ دہلوی	مقدمہ فتاویٰ شاہ عبدالعزیز
مطبوعہ ۱۹۰۳ء	سید احمد دہلوی	یادگار دہلی
	سید احمد دہلوی	خاتمہ تاویل الاحادیث
	سید احمد دہلوی	خاتمہ تکریم ہندی
	سید احمد دہلوی	حالات عزیز
۱۸۹۹ء	رحیم بخش	حیات عزیز
۱۹۰۱ء	رحیم بخش	حیات ولی
۱۹۱۹ء	بشیر الدین احمد	واقعات دارالحکومت دہلی
	سید عبدالحی	نزہت الخواطر
۱۹۲۵ء		امیر الروایات
۱۹۳۳ء	عبدالوہاب دہلوی۔ مکہ معظمہ	الحقۃ الدہلویہ

ماہنامہ ”الفرقان“ لکھنؤ، شاہ ولی اللہ نمبر ۱۹۳۰ء،

تصانیف مولانا عبید اللہ سندھی

شاہ اسماعیل شہید پر تالیفات

تصانیف مولانا غلام رسول مہر

## تصانیف و تالیفات

- (۱) تہذیبات الہیہ
- (۲) حجۃ اللہ البالغہ
- (۳) الخیر الکبیر
- (۴) لمحات
- (۵) ہمعات
- (۶) اللطاف القدس
- (۷) فیوض الحرمین
- (۸) ہوامع
- (۹) فتح الرحمن
- (۱۰) اطیب النعم
- (۱۱) اعتصام الامن
- (۱۲) القول الجمیل
- (۱۳) سطعات
- (۱۴) انقاس العارفین
- (۱۵) المقدمۃ السنیہ
- (۱۶) المسوی
- (۱۷) المصفی
- (۱۸) قرۃ العینین



- (۱۹) الفوز الكبير  
 (۲۰) فتح الخبير  
 (۲۱) الانصاف  
 (۲۲) عقد الجيد  
 (۲۳) شفاء القلوب  
 (۲۴) مکتوب مدنی  
 (۲۵) وصیت نامہ  
 (۲۶) الحجۃ فی سلسلۃ الصحبۃ  
 (۲۷) الفضل للمبین فی السلسل من الحدیث التبی الامین  
 (۲۸) حاشیہ لبس احر  
 (۲۹) اسرار فقہ  
 (۳۰) منصور  
 (۳۱) تاویل الاحادیث  
 (۳۲) الدر الثمین  
 (۳۳) النوادر  
 (۳۴) الارشاد الی مہمات الاسناد  
 (۳۵) تراجم ابواب بخاری  
 (۳۶) شرح تراجم ابواب بخاری  
 (۳۷) الاختبایہ فی سلاسل اولیاء اللہ  
 (۳۸) اتحاف النبیہ ما یتحتاج الیہ المحدث والفقہ  
 (۳۹) البدور البازغہ  
 (۴۰) کشف العین  
 (۴۱) سرور اخرون

(۴۲) ازالہ الخفا

(۴۳) السر المکتوم

(۴۴) صرف میر منطوم

(۴۵) دانش مندی

(۴۶) فتح الودود فی معرفۃ الجنود

(۴۷) عوارف

(۴۸) واردات

(۴۹) نہایات الاصول

(۵۰) الانوار المجدیہ

(۵۱) فتح السلام

(۵۲) رد ردوافض دررد گوہر مراد

(۵۳) کشف الانوار

درج بالا کتابوں میں سے نمبر ایک سے ۲۵ تک کتابوں کا ذکر شاہ محمد عاشق نے  
القول الجلی میں کیا ہے۔

۲۶ اور ۲۷ کے نام خود شاہ صاحب نے اپنی دو تحریروں میں لیے ہیں۔

(۱) اجازہ بنام شیخ چار اللہ (۲) اجازہ بنام شیخ محمد بن پیر محمد

نمبر ۲۸ کا نام صرف شاہ عبدالعزیز نے لیا ہے۔ فتاویٰ ص ۲۸

نمبر ۲۹ اور نمبر ۳۰ کے نام سید محمد نعمان رائے بریلوی نے لیے ہیں۔

(مکتوب بنام شاہ ابوسعید رائے بریلوی)

نمبر ۳۱ سے ۴۵ تک کی کتابوں کے نام مذکورہ بالا ماخذ سے کسی میں نہیں ہیں مگر یہ

شاہ صاحب کی معروف اور مطبوعہ کتابیں ہیں۔

نمبر ۴۶ سے ۵۳ تک کتابوں میں نام صرف عبدالرحیم ضیاء نے مقالات طریقت

میں لیے ہیں۔

## تلامذہ و مسترشدین مذکور در القول الجلی

مولوی محمد اعظم کشمیری ص ۷، ۱۴۳، ۲۶۹

شاہ نور اللہ پھلتی ص ۲۳۹

محمد قطب رہتکی ص ۳۴

مخدوم محمد معین توی ص ۳۹، ۲۵۷

حافظ عبدالرحمن (عبدالنبی) ص ۲۵۲

شیخ محمد عابد ص ۷۳

کمال الدین سندھی ص ۷۹

ہدایت اللہ سندھی ص ۸۳

سید محمد خاں سندھی ص ۸۸

خواجہ محمد امین ولی اللہی ص ۶۳

میر افضل ص ۱۱۱

خواجہ ابوالفضل کشمیری ص ۱۱۴

عبدالرحمن بن شاہ محمد عاشق ص ۱۱۹

عبدالرحیم قاتیق بن محمد عاشق ص ۳۹۳

پتہ اللہ بن نور اللہ ص ۱۳۳

بابا عثمان کشمیری ۱۳۷

حافظ محمد مقیم کشمیری ۱۳۳-۱۷۱

شیخ محمد مراد بدخشی ۱۵۸-۱۷۸

خواجہ حبیب اللہ کشمیری ۱۶۱

عمر خاں قصوری ۱۶۱

بابا فضل کشمیری ۲۶۵-۳۳۳

شاہ ابو سعید رائے بریلوی ۲۲۳

حکیم ابوالوفا کشمیری ۲۳۳

خواجہ عبدالحکیم ۱۵۵

محمد جواہر ۲۵۹

محمد بیگ ۲۶۲

میاں محمد شریف ۳۷۵

سید شرف الدین محمد ۳۷۵

شاہ محمد عاشق پھلتی ۳۸۱

شاہ محمد بن شاہ ولی اللہ ۲۶۳، ۲۶۳، ۲۶۳، ۲۶۶، ۲۶۷

شاہ عبدالعزیز ۲۵۸، ۲۶۳، ۲۶۳

شاہ رفیع الدین ۲۶۳

شاہ عبدالقادر بن شاہ ولی اللہ ۳۶۱

شاہ عبدالغنی بن شاہ ولی اللہ

شاہ امل اللہ ۳۲۱



## از دیگر ماخذ

قاضی ثناء اللہ پانی پتی، کلمات طیبات ص ۱۵۸، استقصاء الافہام، حامد حسین کتوری

ص ۱۵۰

مولوی مخدوم لکھنوی، تذکرہ علماء ہند در جمان علی ص ۲۲۳

مولوی رفیع الدین مراد آبادی، حدائق الحنفیہ ص ۲۳۳، نزہۃ الخواطر ص ۱۸۲/۷

مولوی امین اللہ نگر ہسوی، نزہۃ الخواطر ص ۷۵/۷، تاریخ مدرسہ عالیہ ص ۱۸۷

سید مرتضیٰ زبیدی بلگرامی، التحفۃ الدہلویہ، عبدالوہاب دہلوی طبع مکہ

شیخ محمد بن پیر محمد بن ابی الفتح بلگرامی التحفۃ الدہلویہ

میاں داؤد، فخر الحسن از مولانا فخر الدین

شیخ جبار اللہ، المسوی ص ۵۳ طبع مکہ

عبدالهادی، معارف اعظم گڑھ مولانا منظور الحسن برکاتی

مرزا احمد بیگ بن رستم بیگ، دماغ الباطل از شاہ رفیع الدین دہلوی

مرزا رستم بیگ، مقالات طریقت ۲۳۷

ابراہیم آفندی، مکتوبات مع مناقب امام ص ۲۶

## شاہ ولی اللہ کے چند خاص تلامذہ

مولوی محمد سعید

مولوی محمد سعید بن محمد ظریف خاں بن جان محمد بن یار محمد بن خواجہ احمد دہلوی، فقہ و

اصول و کلام کے فاضل۔

ولادت افغانستان، طلب علم کے لیے دہلی آئے اور شاہ صاحب کا تلمذ اختیار کیا،

شاہ صاحب کے ساتھ ہی حج کو گئے اور طویل عرصے تک شاہ صاحب کے ساتھ رہے، شاہ

صاحب کی وفات کے بعد نواب رحمت خان نے بریلی بلا لیا اور اپنے ولی عہد عنایت خاں

کا استاد اور اتالیق بنا دیا۔ اس طرح یہ بریلی ہی میں رہ پڑے۔ وہیں ۱۱۸۸ھ سے پہلے

وفات پائی، نواب رحمت خان کے حادثے کے بعد مولوی محمد سعید کے پانچ لڑکے رام پور

آگئے ان میں سے ایک مولوی عبدالرحمن ان کے بیٹے عبدالعلی ان کے بیٹے عبدالغنی اور ان

کے بیٹے حکیم نجم الغنی خاں (نام ورمصنف اور طبیب)۔

مولوی عبدالصمد محدث

کشمیر سے ۱۷۵۰ء کے قریب دہلی آئے اور شاہ ولی اللہ سے تحصیل علوم کی، وہاں

سے لکھنؤ پہنچے (۱۱۹۱ھ میں لکھنؤ میں تھے) اور مدرسے کا آغاز کر دیا۔ نواب محبت خاں پر آخر

عمر میں اتالیق ہو گئے تھے۔ نوے سال کی عمر میں انتقال کیا۔ ان کے صاحب زادے مولوی

غلام نبی تھے جو شاہ عبدالعزیز کے شاگرد تھے آغاز میں یہ بھی نواب محبت خاں محبت کے فرزندوں کے اتالیق تھے۔ ان کا عقد شیخ محمد حسن لکھنوی کی بیٹی سے ہوا تھا۔ مولوی غلام نبی آخر عمر تک تدریس میں مشغول رہے علماء فرنگی محل میں ان کا بڑا احترام تھا، حسن علی محدث کے مزار کے برابر مزار ہے۔ مولوی غلام نبی کے دو فرزند تھے محمد یوسف اور محمد یعقوب۔

حکیم محمد یعقوب لکھنوی نامی طبیب اور جھوئی ٹولے کے خاندان کے بانی

ہوئے۔ ص ۳۵، ۳۶، ۳۷ تذکرہ خاندان عزیزی، از حکیم سید ظل الرحمن۔

### مخدوم محمد معین توی

ٹھٹھہ (سندھ) کے باشندے تھے، مولانا عنایت اللہ بن فضل اللہ سندھی سے

حصول علم کے بعد وہلی آئے اور شاہ صاحب سے تلمذ اختیار کیا۔ سندھ واپس آ کر شیخ

ابوالقاسم نقشبندی سے بیعت کی اور شاہ عبداللطیف سے فیض صحبت پایا۔ ص ۶/۳۵۲۔ نزہتہ

الخواطر، القول الجلی ۳۹۔ ۲۵۷

### حاجی احمد

حاجی احمد بن ابی احمد محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ کے شاگرد اور مولانا فخر صاحب

کے مرید تھے، طویل عرصے فیض صحبت اٹھایا، سفر حج بھی کیا۔ ص ۶/۲۵۵ نزہتہ الخواطر۔

### شرف الدین محمد حسینی دہلوی

سیدی بودھن کے نام سے معروف تھے، عالم اور محقق تھے دہلی میں ولادت ہوئی،

عرصے تک شاہ صاحب کے ساتھ رہ کر فیض حاصل کیا، شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی سے بیعت

تھے۔ متعدد تصانیف ہیں۔

(۱) القول الفصل فی ارجاع الفرع الی الاصل، تالیف ۱۱۶۳ھ

(۲) حاشیہ ہوامع (شاہ ولی اللہ)

(۳) الوسیلہ الی اللہ

(۴) نقاۃ التصوف (اس پر شاہ ولی اللہ کی تقریظ ہے)

ماخذ: القول الجلی ۲۷۵-۲۷۶ نزہتہ الخواطر ۱۰۵/۶

### مولانا قطب الدین شاہ جہاں پوری

شاہ صاحب کے شاگرد اور مرزا مظہر جان جاناں کے مسترشد تھے وفات ۲ ربیع

الاول ۱۱۹۷ھ (نزہتہ الخواطر ۲۳۳/۶)

### خواجہ محمد امین ولی اللہی

اصلاً کشمیری تھے، شاہ صاحب کے خاص اصحاب میں سے تھے، شاہ عبدالعزیز

کے استاد تھے، عجلہ نافعہ میں ان کا ذکر ہے۔ شاہ صاحب نے ان کے لیے بعض رسائل

تالیف کیے تھے، ان کی ایک تالیف ”فوائد“ ہے، شاہ صاحب کے وصال کے بعد بھی وہلی

میں ہی رہے۔ وفات ۱۱۸۷ھ (القول الجلی ص ۲۶۴، نزہتہ الخواطر ۲۸۶/۶)

### قاضی ثناء اللہ پانی پتی

شاہ صاحب کے شاگرد تھے۔ وہ شاہ صاحب کے پاس تین سال سے زیادہ

عرصے تک مقیم رہے اور مصابیح، بغوی مشکوٰۃ، المسوی، الفوز الکبیر، فتح الرحمن کا درس لیا، یہ

بات شاہ عبدالعزیز نے صحیح بخاری کے ایک نسخے کے آخر میں لکھی تھی جو قاضی صاحب کی

ملکیت تھا، اس تحریر میں شاہ عبدالعزیز نے ان کو روایت کی اجازت بھی دی ہے گویا یہ سند

حدیث بھی ہے، صحیح بخاری کا یہ نسخہ بعد میں مولانا حسن علی لکھنوی کی ملکیت میں آ گیا تھا قاضی

صاحب نے شاہ ولی اللہ سے اپنے تلمذ کا ذکر اپنے ایک مکتوب میں بھی کیا ہے (کلمات

طیبات ص ۱۵۱) قاضی صاحب اجتہاد کے باب میں شاہ ولی اللہ کے ہم مسلک تھے اپنی

کتاب مالا بدمنہ میں کئی جگہ ”فقیر می گوید“ لکھ کر اپنے قول کو امام اعظم کے مسلک پر ترجیح دی



ہے شاہ عبدالعزیز نے انھیں ”تبیہتی وقت“ لکھا ہے۔

### بابا فضل اللہ کشمیری

شاہ ولی اللہ جب اپنے مرض وصال میں ۹ رزی الحجہ ۱۱۷۵ھ کو بڈھانے سے دہلی گئے تو اپنے گھر کے بجائے بابا فضل اللہ کے مکان میں اترے جو مسجد روشن الدولہ کے احاطے میں چوک سعد اللہ خاں پر واقع ہے۔ (القول الجلی ۲۶۵)

### مولانا ظہور اللہ مراد آبادی

شاہ عبدالعزیز نے اپنے ایک رسالے میں لکھا ہے کہ انھوں نے جامع ترمذی اور سنن ابن داؤد اپنے والد شاہ ولی اللہ سے بقرأت مولوی ظہور اللہ مراد آبادی پڑھی تھی۔ (نزہۃ الخواطر ۷۲۰۸)

### محمد جواد پھلتی

شاہ عبدالعزیز نے سنن ابن ماجہ شاہ ولی اللہ سے بقرأت مولوی محمد جواد پڑھی تھی۔ (نزہۃ الخواطر ۷۲۶۸)

### جار اللہ نزیل مکہ

شیخ جار اللہ بن عبدالرحیم من اہل فنجاب، مولانا عبید اللہ سندھی نے المسوئی کا مخطوطہ شاہ محمد اسحاق کے ورثا سے حاصل کیا تھا اس پر یہ نام درج تھا (مقدمۃ المسوئی) شاہ عبدالعزیز نے مسلسلات اور جامع الاصول بقرأت مولوی جار اللہ نزیل مکہ پڑھی تھی (نزہۃ الخواطر ۷۲۶۹)

### غلام حسین صدنی

غلام حسین بن نور علی صدنی فرخ آبادی، ولادت صدن، پہلے قنوج اور فرخ آباد

کے اساتذہ سے پھر لکھنؤ میں شیخ انوار الحق بن عبدالحق انصاری لکھنوی سے تحصیل علم کی پھر دہلی پہنچ کر شاہ ولی اللہ سے درس لیا پھر بنگال چلے گئے اور وہاں عرصے تک مدرس واقادہ میں مشغول رہے۔

تصانیف (۱) جنت القرووس (جنت کا اثبات بدلائل عقلیہ) (۲) منتخب صحاح جوہری (۳) ریاض رضواں (۴) دیوان عربی و فارسی

وفات، ۱۲۳۷ھ (ڈھا کا) (تاریخ صدنی از سید عبدالعزیز ص ۲۵۱)

### سید مرتضیٰ زبیدی بلگرامی

ولادت ۱۱۳۵ھ حصول تعلیم اپنے وطن میں پھر سندیلہ، خیر آباد میں پھر دہلی پہنچ کر شاہ ولی اللہ سے پھر سورت پہنچ کر خیر الدین سورتی سے ۱۱۶۳ھ میں پھر حجاز مقدس پھر زبید (یمن) میں مستقل قیام، خود مرتضیٰ زبیدی نے اپنی ایک سند میں شاہ فاخر الہ آبادی اور شاہ ولی اللہ کا ذکر کیا ہے۔

تصانیف: تاج العروس شرح قاموس ۱۰ جلدیں۔ اس کے علاوہ ستر (۷۰) سے زیادہ کتابیں تالیف کیں، وفات ۱۲۰۵ھ (نزہۃ الخواطر ۷۲۸)

### نثار علی ظفر آبادی

نثار علی حسنی واسطی ظفر آبادی، تحصیل علم ملا برکت الہ آبادی وغیرہ سے کی پھر شاہ ولی اللہ سے چار سال تک درس لیا پھر وطن میں درس واقادہ میں مصروف ہو گئے محدث و فقیہ تھے اور معقولات میں خصوصاً مآخذ تھا، وفات ۱۲۱۵ھ (نزہۃ الخواطر ۷۹۳)

### ہبۃ اللہ نگر نہسوی

ولادت نگر نہسہ (پٹنہ، بہار) تعلیم اپنے والد مولانا سلیم اللہ نگر نہسوی سے حاصل کی پھر الہ آباد میں مولانا محمد قاسم الہ آبادی سے پھر دہلی پہنچ کر شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز سے

حاصل کی، مدرسہ عالیہ کلکتہ میں مدرس ہو گئے اور تاحیات وہیں رہے۔ وفات ۱۲۳۳ھ، کئی  
تالیفات یادگار ہیں (تذکرۃ النبلاء ص ۸۵، نزہۃ الخواطر ۸۵/۷ تاریخ مدرسہ عالیہ ۱۸۷)

### غلام حسین مکی

شاہ عبدالعزیز نے لکھا ہے کہ انہوں نے صحیح بخاری از ابتدا تا کتاب الحج اپنے  
والد سے بقراءت سید غلام حسین مکی پڑھی تھی۔ (نزہۃ الخواطر ۷۲۶۸/۷)

### مولوی رفیع الدین مراد آبادی

رفیع الدین بن فخر الدین، ولادت ۱۱۳۳ھ/۱۷۲۱ء، تحصیل علم مولوی خیر الدین  
سورتی اور شاہ ولی اللہ سے کی، شاہ عبدالعزیز سے مراسلت تھی، شیخ محمد غوث لاہوری سے  
بیعت تھی، وصال ۱۲۱۸ھ/۱۸۰۲ء (حدائق الحنفیہ ۳۶۳، نزہۃ الخواطر ۱۸۲/۷، تذکرہ  
رحمان علی ۱۹۷)

### مخدوم لکھنوی

مخدوم بن حافظ محمد نواز، دادا شہد سے دہلی آئے وہاں سے لکھنؤ منتقل ہو گئے، تحصیل علم ملا  
نظام الدین سیالوی سے اور شاہ ولی اللہ سے کی، وفات ۱۲۲۹ھ/۱۳-۱۸۱۳ء تذکرہ رحمان علی

### میاں داؤد

مولانا فخر الدین دہلوی نے اپنی کتاب فخر الحسن میں لکھا ہے کہ شاہ ولی اللہ نے  
اپنے شاگرد میاں داؤد کو جو سند حدیث دی ہے اس میں لکھا ہے اجزوت ان اخانا الصالح  
الفاضل میاں داؤد روایۃ صحیح البخاری وغیرہ من الکتب الستہ و مسند  
الدارمی و کتاب مصابیح من قرأتی للبخاری و سماع الدارمی اجازۃ  
الباقی مع قراۃ اوائلہا علی الشیخ ابی طاہر محمد بن ابراہیم الکردی

الملنی بحق اجازتہ علی والدہ الشیخ ابراہیم الکردی“

### نور اللہ چھلتی

نور اللہ بن معین الدین، ولادت بڈھانہ، وہیں ابتدائی تعلیم پھر دہلی میں شاہ ولی اللہ سے حصول فیض، شاہ عبدالعزیز نے فقہ کی کتابیں ان ہی سے پڑھیں، ان ہی کی صاحب زادی سے شاہ عبدالعزیز کی شادی بھی ہوئی، نور اللہ کے بیٹے بہتہ اللہ ان کے بیٹے عبدالحی بڈھانوی، ان کے بیٹے عبدالقیوم بڈھانوی تھے، ملا عبدالقیوم شاہ اسحاق کے داماد تھے اور عبدالحی شاہ عبدالعزیز کے داماد تھے۔ نور اللہ کی وفات ۱۱۹۷ھ بڈھانے میں ہوئی۔

### بابا عثمان کشمیری

عثمان بن محمد فاروق بن شیخ محمد حسن، ابتدائی تحصیل علم علاقے کے علماء سے پھر دہلی میں شاہ ولی اللہ سے کی، کشمیر جا کر خواجہ عبدالرحیم شیخ کمال سے استفادہ کیا (حدائق الحنفیہ ۱۲۵۸ القول الجلی ۱۳۷)

## شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان کی تحریرات میں تحریفات

فتنہ تاتار اور ”زوال ملک مستعصم“ سے ما قبل کے علماء اور مصنفین کی کتابیں نایاب اور ناپید ہو گئیں تو اس کا سبب ظاہر تھا اور اسی سبب کے زوال کی بنا پر مابعد فتنہ کے علماء و مصنفین میں سے بیش تر کی بیش تر کتابیں آج کہیں کہیں دستیاب ہیں۔

لیکن جو معاملہ شاہ ولی اللہ اور ان کے خان دان کی تالیفات کے ساتھ ہوا وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ کہا جاسکتا ہے کہ سقوط دہلی (۱۸۵۷ء) کے اثرات کو اس میں دخل ہوگا مگر یہ بات اس لیے قرین صحت نہیں ہے کہ ان حضرات کی تالیفات کی کمیابی، نایابی اور ان میں تحریفات کا سلسلہ تو سقوط دہلی سے پہلے ہی شروع ہو چکا تھا۔ ۱۸۳۲ء میں سید عبداللہ بن بہادر علی نے مطبع احمدی ہوگی سے الفوز الکبیر شائع کی تو انھیں اس کتاب کا صرف ایک نسخہ ملا تھا جو اس بات کا ثبوت ہے کہ سقوط دہلی سے ۲۳ سال پہلے ہی شاہ صاحب کی کتابیں کمیاب تھیں، کیوں کہ سید عبداللہ اس خان داد سے کے نیاز مندوں میں سے تھے اور ان کے اکابر حلقہ سے مراد تھے۔ مطبع احمدی بھی صرف اسی حلقے کی کتابوں کی اشاعت کے لیے قائم کیا تھا۔

شاہ صاحب کی کتابوں کی نایابی کا یہ عالم ہے کہ تقریباً ۱۲ رسائل و کتب ایسے ہیں جن

کے صرف ناموں ہی کی حد تک دنیا ان سے واقف ہے۔ آج تک لم سے لم خاکسار کے علم میں ان کتابوں کا کوئی مخطوطہ نہیں ہے۔

(۱) فتح الردود فی معرفۃ الجنود (۲) شفاء القلوب (۳) عوارف (۴) نہایات الاصول (۵) الانوار الحمدیہ (۶) فتح السلام (۷) کشف الانوار (۸) اسرار فقہ (۹) منصور (۱۰) حاشیہ رسالہ لبس احمر (۱۱) دعاء الاعتصام (۱۲) النخبۃ فی سلسلۃ الصحبۃ۔

شاہ صاحب کے مصنفات کو نایاب کر کے دوسرا قدم یہ اٹھایا گیا کہ اپنے مصنفات کو شاہ صاحب کی طرف منسوب کر دیا اور اپنے نظریات کی تبلیغ شاہ صاحب کے نام سے کی گئی۔

(۱) ابلاغ المبین، پہلی بار ۱۳۰۷ھ مطبع محمدی لاہور سے ایک اہل حدیث عالم مولانا فقیر اللہ نے شائع کی۔

(۲) تحفۃ الموحدین، سب سے پہلے ایک اہل حدیث بزرگ حاجی عبدالغفار دہلوی (علی جان والے) نے شائع کی۔

(۳) اشارہ مستمرہ، پہلی بار مولوی فضل الرحمن استاذ جامعہ ملیہ دہلی نے ۱۹۳۶ء میں مکتبہ عربیہ قرون باغ دہلی سے شائع کیا تھا۔

(۴) قول سدید کے نام سے بھی ایک رسالہ شاہ صاحب کے نام سے شائع ہوا ہے، جس میں عدم تقلید کی تلقین و تائید کی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بھی اہل حدیث حضرات نے ہی شائع کیا ہوگا۔

مندرجہ رسائل میں اہل السنۃ والجماعت کے نظریات سے متضاد نظریات اور وہ تشددانہ افکار پیش کئے گئے ہیں جن کو یہ حضرات "تمسک بالکتاب والسنۃ" کا نام دیتے ہیں اور جو کتاب توحید کی بازگشت ہیں۔ اس طرح شاہ صاحب سے احناف کو جن کی برصغیر میں اکثریت ہے بدظن اور دور کرنے کی کوشش کی گئی۔

ایک دوسرے فرقے ارباب تشیع نے ایک دوسرے پہلو سے یہی کوشش کی اور شاہ صاحب کی طرف دو ایسی کتابیں منسوب کیں جو ان کے تاریخی اور کلامی مسلک سے متناقض ہیں:

(۱) قرۃ العینین فی ابطال شہادۃ الحسنین (۲) جنت العالیہ فی مناقب المعادیہ۔ مرزا علی لطف نے اپنے تذکرہ شعر گلشن ہند میں ان دونوں کتابوں کے نام لکھے ہیں۔ گلشن ہند ۱۸۰۱ء کی تالیف ہے، گویا شاہ صاحب کی وفات کے ٹھیک چالیس سال بعد ہی سے یہ سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ مولوی محبوب علی دہلوی لکھتے ہیں، ”شاہ ولی اللہ پر رافضیوں نے تہمت اور بہتان کیا کہ اس نے رد شہادت حسین کا کیا ہے۔“ مکمل رسائل و کتب تصنیف کر کے شاہ صاحب کی طرف منسوب کر دینے کے علاوہ ایک ہلاکت خیز حرکت یہ کی گئی کہ شاہ صاحب کی تالیف میں جاوے جا کر ترمیم و اضافہ و تحریف بھی کر دی گئی۔

(۱) تاویل الاحادیث کی تازہ اشاعت مرتبہ مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی شائع کردہ شاد ولی اللہ اکادمی حیدرآباد سن ۱۹۶۷ء کے مقدمہ میں ایک عجیب اختلاف نسخ کی نشان دہی کی گئی ہے اور شق قمر کے سلسلہ میں شاہ صاحب کے منفردانہ نقطہ نظر کے سلسلے میں یہ انکشاف ہوا ہے کہ شاہ صاحب نے وہ ایک دوسرے عالم کا قول نقل کیا ہے مگر عام متداول و مطبوعہ نسخے میں مقولہ رہ گیا۔ اور قائل کا نام حذف ہو گیا یہ بدنام اور نشانہ اعتراض بنانے کی سازش نہیں ہو سکتی؟

(۲) ہمعات، حیدرآباد سندھ سے ۱۹۶۳ء میں طبع ہوئی ہے۔ اس کے حواشی کے اختلاف نسخ سے انداز ہوتا ہے کہ اس رسالے کے مطبوعہ و مخطوطہ نسخوں میں نمایاں اختلافات ہیں۔

(۳) عقد الجید کا اردو ترجمہ مولانا محمد احسن نانوتوی نے سلف مرواریہ کے نام سے ۱۳۰۹ھ میں شائع کیا تھا۔ اس رسالے کے آخری اوراق میں ایک جگہ فتح القدر کا اقتباس ہے۔ اس پر حاشیے میں مولانا محمد احسن لکھتے ہیں:

”قلمی نسخے میں انجام اس رسالے کا اس نقطہ پر ہے فتح القدر کی بات آخر کتاب تک اس (نسخے) میں نہیں ہے۔ معلوم نہیں خود مولف نے بعد کو بڑھائی یا کسی اور نے۔“ (ص ۸۹)

یہی معاملہ شاہ صاحب کے اخلاف رَام کی تالیفات کے ساتھ کیا گیا۔

شاہ عبدالعزیز کا تحفہ اثنا عشریہ شائع ہونے کے بعد ایک صاحب نے لکھنؤ سے انھیں خط لکھا جس میں تحفہ کے بعض ایسے الفاظ و عبارات کا حوالہ دیا جو شاہ صاحب نے لکھے ہی نہیں تھے۔



چنانچہ شاہ عزیز نے اس خط کے جواب میں تحریر فرمایا:

”و تعریضات در باب معاویہ رضی اللہ عنہ از فقیر واقع نہ شدہ اگر در نسخہ از تحفہ اثنا عشریہ یافتہ شود الحاق کسے خواہد بود کہ بنا بر فتنہ انگیزی و کید و مکر کہ بناء مذہب ایشان یعنی گروہ رفضہ از قدیم بر ہمیں امور است این کار کردہ باشد چنانچہ بسمع فقیر رسیدہ کہ الحاق شروع کردہ اند۔“ ۸

”اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر چونیں میں نے نہیں کیں۔ اگر تحفہ اثنا عشریہ کے کسی نسخہ میں ایسی عبارتیں ہیں تو وہ کسی نے اپنی طرف سے بڑھادی ہوں گی کیونکہ روافض کے مذہب کی بنیاد شروع ہی سے فتنہ انگیزی اور مکر و کید پر ہے۔ یہ کام بھی انھوں نے ہی کیا ہوگا۔ چنانچہ میں نے سنا ہے کہ تحفہ میں بھی انھوں نے الحاق شروع کر دیا ہے (جس کا ثبوت آپ کا یہ خط بھی ہے)“

(۲) مولوی سید احمد ولی اللہی نے شاہ عبدالعزیز کے ملفوظات مطبوعہ میرٹھ کو جعلی بتایا ہے (انفاس العارفين صفحہ آخر) ہماری ناقص رائے میں مولوی سید احمد کی یہ رائے کلیتہً تو صحیح نہیں ہے، ملفوظات شاہ صاحب کے ہی ہیں مگر ان میں الحاق ضرور ہوا ہے اور بعض فحش اشعار اور فحش واقعات درج کر دیئے گئے ہیں۔ ۹

(۳) تفسیر فتح العزیز کے متعلق بعض حضرات کی رائے ہے کہ یہ تفسیر مکمل ہے مقالات طریقت میں اس سلسلے میں دو روایتیں تحریر کی گئی ہیں پہلی یہ کہ مولوی یار محمد صاحب نے آپ کے درس قرآن کے کئی دوروں پر اپنے مصحف پر حواشی لکھ لیے تھے۔ وہ ان کے فرزند مولوی محمد اسحاق صاحب کے پاس موجود ہیں۔ دوسری روایت ”حاجی محمد حسین صاحب سہارنپوری سلمہ تعالیٰ مولوی نور اللہ صاحب سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کی ایک تفسیر فارسی تمام قرآن مجید کی اکبر آباد کے قاضی کے یہاں موجود ہے مگر وہ چھپی نہیں۔“ (ص ۳۰-۳۳)

(۴) حال ہی میں کتب خانہ رام پور سے موسیقی پر ایک مخطوطہ برآمد ہوا ہے کتاب کا نام ہے ”سانکیت شاستر“ مصنف ہیں ”شاہ عبدالعزیز دہلوی“۔ مخطوط کے کاتب اور واحد راوی

ہیں ایک ہندو فشی کنڈن لال اشکی! جناب عضد الدین خاں صاحب نے معارف اعظم گڑھ (جلد ۳ شمارہ ۹۶ ستمبر ۱۹۶۵ء) میں اس مخطوطہ کا تعارف کرایا ہے اور اس مخطوطہ کی نسبت شاہ محدث کی طرف تسلیم کر لی ہے۔ مگر ہماری عقیدت نے ابھی تک یہ انتساب گوارا نہیں کیا۔

شاہ ولی اللہ کے دوسرے فرزند شاہ رفیع الدین نے اردو، فارسی اور عربی میں متعدد رسائل و کتب تالیف فرمائیں، مگر ان میں سے متعدد ابھی تک مخطوط صورت میں برصغیر کے صرف دو ایک کتاب خانوں میں پائے جاتے ہیں۔ کئی رسائل و کتب کا نام کے سوا کوئی نشان نہیں ملتا۔

تحریف کا نشانہ بھی شاہ صاحب کی تالیفات ہوئیں۔ شاہ صاحب کا اردو ترجمہ قرآن کئی بار شائع ہو چکا ہے۔ قرآن مجید کا مکمل ترجمہ ہے۔ مگر عبدالرحیم ضیا کا بیان ہے کہ: ترجمہ قرآن تحت لفظی بعض کہتے ہیں کہ آپ نے شروع کیا تھا مگر تمام رہا دوسروں نے تمام کر کے آپ کے نام سے شہرت دی۔ (مقالات طریقت ص ۱۸)

شاہ رفیع الدین صاحب نے فارسی میں ایک رسالہ تنبیہ الغافلین کے نام سے لکھا تھا، ایک نو مسلم فشی بنی نارائن جہاں لاہوری نے اس رسالے کا اردو ترجمہ کیا تھا۔ سید عبداللہ بن بہادر علی (صاحب مطبع احمدی ہوگلی) کا بیان ہے کہ یہ ترجمہ بے محاورہ تھا اور ترجمہ آیات کلام اللہ بھی غلط تھا، لیکن خود سید عبداللہ نے جو ترجمہ ۱۸۳۰ء میں کیا تھا اس کے لیے خود ان کا بیان ہے کہ اس میں آیات و احادیث قصص کا اضافہ کیا ہے۔ اس سے پہلے یہ رسالہ کسی صاحب نے اپنے نام سے شائع کر دیا تھا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ تنبیہ الغافلین کے تالیف شاہ رفیع الدین ہونے کا علم ہی دنیا کو صرف فشی جہاں لاہوری کے حوالے سے ہے۔ اے

شاہ ولی اللہ کے تیسرے فرزند شاہ عبدالقادر کے ایک اردو رسالے تقریر الصلوٰۃ کا مولوی سید عبدالحی نے ذکر کیا ہے مگر اس رسالہ کا وجود تو درکنار اس کا نام بھی مولوی عبدالحی کے سوا کسی اور نے نہیں کیا۔ اے

شاہ صاحب نے قرآن کریم کا جو اردو ترجمہ کیا تھا، اس کا سب سے پہلا ایڈیشن سید عبداللہ نے مطبع احمدی ہوگلی سے ۱۸۳۸ء میں شائع کیا تھا مگر یہ ترجمہ موضح القرآن کے نام سے

اور اضافات کے ساتھ ۷۔ ۱۳۰۸ھ میں دہلی سے شائع کیا گیا۔ مشہور اہل حدیث عالم میاں نذیر حسین کے داماد سید شاہ جہاں نے اس پر تقریظ لکھی تھی اور اس کے ملنے کا پتہ بھی ”مدرسہ میاں نذیر حسین“ تھا۔ مولوی سید احمد ولی اللہی نے انفاس العارفین کے صفحہ آخر پر جن جعلی کتابوں کی نشان دہی کی تھی ان میں تحفۃ الموحدین، البلاغ المبین وغیرہ کے ساتھ ”تفسیر موضح القرآن مطبوعہ خادم الاسلام دہلی منسوب بہ طرف مولانا شاہ عبدالقادر صاحب مرحوم بھی تھی۔

مجلد نقوش لاہور (اپریل ۱۹۶۵ء) میں ایک احمدی قلم کار شیخ اسماعیل پانی پتی نے موضح القرآن کا مقدمہ شائع کیا تھا۔ یہ مقدمہ عام متداول مقدمے سے سراسر مختلف ہے۔ پانی پتی صاحب کا بیان ہے کہ یہ مقدمہ انھیں حکیم نور الدین بھیروی کے کتب خانے سے دستیاب ہوا ہے۔ یاد رکھیے کہ آں جہانی حکیم پہلے اہل حدیث تھا پھر احمدی اور خلیفہ المسیح ہو گیا تھا۔ اللہ اللہ!

کس کس کی مہر ہے ہر محضر لگی ہوئی

شاہ ولی اللہ کے اپنا ہی نہیں احفاد بھی تحریف و ترمیم اور غلط انتساب کا ہدف بنے۔ شاہ صاحب کے حنفی شہیر شاہ اسماعیل کی طرف ایک کتاب تنویر العینین فی رفع الیدین منسوب ہے۔ مولوی کریم اللہ کا بیان<sup>۱۳</sup> ہے کہ ایک رسالہ تنویر العینین بعض آدمیوں نے ان کی شہادت کے بعد ان کا کر کے شائع کیا۔

شاہ اسماعیل کی مشہور کتاب تقویت الایمان کے متعلق سید احمد شہید کے خلیفہ پیر مرتضیٰ خاں رام پوری نے دافع الفساد و التمام فی العباد میں لکھا ہے کہ اس میں تحریف کی گئی ہے۔

شاہ صاحب کے رسالہ رد شرک کے متعلق محسن تریقی نے لکھا ہے کہ تحریف کی گئی ہے۔ ۱۵

شاہ صاحب کا رسالہ منصب امامت ناقص لآخر ہے۔ یہی حال ایضاً الحق المصرح فی

احکام المیت والضرع کا ہے وہ بھی ناقص ہے۔

شاہ عبدالعزیز کے نواسے اور جانشین شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی کی طرف دو کتابیں

منسوب ہیں، مسائل اربعین اور مآۃ مسائل۔ ہم نے اپنی کتاب ”حیات شاہ محمد الحق“ میں بدایین

ثابت کیا ہے کہ ان دونوں کتابوں کی نسبت شاہ صاحب کی طرف صحیح نہیں ہے۔ شاہ صاحب کے

ترجمہ مشکوٰۃ (مظاہر حق) کے متعلق نواب قطب الدین خاں دہلوی نے لکھا ہے کہ "۔۔۔۔۔ کا ہوں سے اس کی صحت میں فرق آنے لگا تھا۔" ۱۶

آیہ کریمہ "ما اهل به غير الله" (سورہ بقرہ آیت ۱۷۳) کا جو ترجمہ و تفسیر فتح العزیز کے مطبوعہ نسخوں میں ملتا ہے اس کے متعلق شاہ صاحب کے معروف شاگرد شاہ رؤف احمد نقشبندی نے اپنی کتاب تفسیر رؤفی میں لکھا ہے کہ تفسیر فتح العزیز میں کسی عدو نے الحاق کر دیا ہے اور یوں لکھا ہے: "اگر کسی بکری کو غیر کے نام منسوب کیا ہو اور بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرے، وہ حلال نہیں ہوتی اور غیر کے نام کی تاثیر اس میں ایسی ہو گئی ہے کہ اللہ کے نام کا اثر ذبح کے وقت حلال کرنے کے واسطے بالکل نہیں ہوتا۔" یہ بات کسی نے ملا دی ہے۔

ص ۱۳۹ تفسیر رؤفی، جلد اول مطبع فتح الکرم بمبئی ۱۸۸۷ء

## حواشی

۱۔ کتب نمبر ۱ سے نمبر ۷ تک کے نام مقالات طریقت میں ہیں۔ کتب نمبر ۸، نمبر ۹ کے نام مکتوب سید محمد نعمان (مکتوبات المعارف) میں ہیں۔ کتاب نمبر ۱۰ کا نام شاہ عبدالعزیز کی ایک تحریر (مجموعہ فتاویٰ) میں ہے۔ نمبر ۱۱ کا ذکر بھی فتاویٰ میں ہے۔ نمبر ۱۲ کا نام خود شاہ صاحب کی اپنی ایک سند عطا کردہ شیخ جبار اللہ میں ہے۔

۲۔ پروفیسر محمد ایوب قادری وصایا اربعہ

۳۔ حیات ولی طبع اول اکمل المطابع صفحہ آخر ۱۹۰۲ء۔

۴، ۵۔ وصایا اربعہ، پروفیسر محمد ایوب قادری۔

۶۔ مطبوعہ انجمن ترقی اردو ہند حیدرآباد دکن، ص ۲۳-۱۹۰۶، مرتبہ مولانا شبلی نعمانی

۷۔ تنبیہ الضالین ص ۱۲۸

۸۔ فضائل صحابہ و اہل بیت (مع مقدمہ پروفیسر محمد ایوب قادری) طبع لاہور۔

۹۔ ملفوظات پر ہمارا مضمون (شاہ ولی اللہ کے حالات شاہ عبدالعزیز کھاز بانی) ملاحظہ ہو۔

۱۰۔ مقالات طریقت ص ۳۰، ۳۳

۱۱۔ تنبیہ الغافلین کے سلسلے میں تمام تفصیل مولانا عبدالکلیم چشتی کے ایک محققانہ مقالہ سے ماخوذ ہے۔ ماہنامہ برسات

کراچی رمضان ۱۳۸۳ھ

۱۲۔ التفتانہ الاسلامیہ فی البند طبع بیروت ص ۱۱۸۔

۱۳۔ تنبیہ الضالین ص ۸۷

۱۴۔ مطبوعہ مطبع محمدی نوک ص ۹۶، ص ۱۱۴

۱۵۔ الیافع الجنبی ص ۷۶

۱۶۔ مظاہر حق ص ۳

## ”القول الجلی“ کی بازیافت

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی اولین اور مستند سوانح حیات خود ان کی حیات میں شاہ محمد عاشق پھلتی نے مرتب کی تھی اور شاہ صاحب کی نظر سے بھی یہ کتاب گزر چکی تھی اور ان کی ہدایت کے مطابق اس میں اضافات بھی کیے گئے تھے۔ اور اپنی خود نوشت (الجزء طیف فی ترجمۃ العبد الضعیف) میں شاہ صاحب نے اس کی تصدیق و تصویب بھی فرما دی تھی اور اس طرح یہ کتاب شاہ صاحب کی نہ صرف اولین بلکہ مستند اور معتبر سوانح حیات تھی۔

القول الجلی فی ذکر آثار الولی کچھ عرصہ متداول بھی رہی۔ نواب صدیق حسن خاں نے ۱۸۸۰ء میں اس سے التقاط و اقتباس کیا تھا<sup>۱</sup> اور ۱۸۹۰ء میں مولوی رحمن علی نے اپنے ماخذ میں اس کا نام لیا تھا<sup>۲</sup> مگر اس کے بعد یہ کتاب بے نشان ہو گئی اور تقریباً ایک صدی تک بے نشان رہی۔ کسی مورخ اور مصنف نے اس کا حوالہ نہیں دیا۔

حیات ولی کے مصنف مولوی رحیم بخش کو بھی یہ کتاب دستیاب نہیں ہو سکی تھی۔ کسی نجی یا عام ذخیرہ کتب میں بھی اس کے وجود کا سراغ نہیں مل رہا تھا۔ ۱۹۷۸ء میں جناب خلیق احمد نظامی نے یہ مژدہ سنلایا کہ خانقاہ کاکوری کے ذخیرہ کتب میں اس کتاب کا مخطوطہ شناخت اور دریافت کر لیا گیا ہے۔<sup>۳</sup> بعد میں خدا بخش اور نیشنل پبلک لائبریری (پٹنہ) میں بھی اس کے ایک ناص الاؤل مخطوطے کا سراغ مل گیا۔

خانقاہ کاکوری میں اس مخطوطے کے وجود کی خبر سن کر جب خاکسار نے جناب مولانا مجتبیٰ حیدر علوی سے اپنے اور دوسرے بہت سے اہل علم کے اشتیاق اور مطالعے کے

لیے بے تابی کا ذکر کر کے اس کی طباعت کی درخواست کی تو معلوم ہوا کہ ان کے فاضل فرزند جناب مولانا تقی انور علوی نے اس کا ترجمہ اردو کر لیا ہے۔ اب کتاب طباعت کے مرحلے میں ہے بالآخر ۱۹۸۸ء میں القولی النحلی کا اردو ترجمہ ہمارے ہاتھوں میں تھا، پھر اس کے کچھ دن بعد ہی جناب مولانا ابوالحسن زید فاروقی نے اصل مخطوطے کا مصورہ شائع فرمادیا۔

شاہ صاحب کی شخصیت کی عظمت کی بنا پر ان کی یہ مستند اور مفصل سوانح حیات بڑی اہمیت کی حامل ہے اور اس کی گمشدگی جتنی صبر آزما اور حیران کن تھی اب اس کی بازیافت اور طباعت اتنی ہی دل خوش کن ہے۔ کتاب جن حقائق پر مشتمل ہے وہ نہ صرف نئے بلکہ چونکا دینے والے بھی ہیں۔ ایک طرف اس میں شاہ صاحب کے سوانح کے سلسلے میں معلومات میں اضافہ اور اب تک کی معلومات کی تصحیح ہوئی ہے وہ اس تصویر سے مختلف ہے جس سے اب تک ہماری نگاہیں آشنا ہیں اور شاہ صاحب کے کلامی و فقہی مسلک اور انداز فکر کے متعلق اب تک ہمارا جو تاثر رہا ہے کتاب کے مطالعے کے بعد ایک طبقہ کے لیے شاہ صاحب کی شخصیت میں جاذبیت بڑھ جائے گی تو دوسرے طبقے کو شاہ صاحب سے اپنی نسبت خاطر اور وابستگی پر نظر ثانی کی ضرورت محسوس ہوگی۔

القول النحلی کے بالاستیعاب مطالعے کے بعد اس کے مخطوطے کی نایابی اور گمشدگی کا راز بھی سمجھ میں آ جاتا ہے۔ آئیے کتاب پر ایک نظر ڈالیں۔

### تعارفِ مؤلف:

پہلے اس کے مؤلف سے متعارف ہو لیں۔

کتاب کے مؤلف شاہ محمد عاشق پھلتی ہیں جو شاہ صاحب کے میرے بھائی تھے، ان کے والد شاہ عبید اللہ، شاہ صاحب کے حقیقی ماموں تھے اور ان کے دادا شاہ محمد، شاہ صاحب کے حقیقی نانا شاہ عبدالرحیم کے خسر تھے۔

وہ شاہ صاحب کے نسبتی بھائی بھی تھے۔ شاہ صاحب کا پہلا عقد ان کی حقیقی بہن سے ہوا تھا جن کے بطن سے شاہ صاحب کے سب سے بڑے فرزند شاہ محمد اور ان کی دو بہنیں



تھیں انہیں شاہ صاحب سے مصاہرت کا تعلق بھی تھا۔ ان کے دو فرزندوں شاہ عبدالرحمن اور شاہ عبدالرحیم فائق کے عقد علی الترتیب شاہ صاحب کی دو صاحبزادیوں (امتہ العزیز اور فرخ بی) سے ہوا تھا۔

وہ شاہ صاحب کے شاگرد بھی تھے (القول الجلی ص ۴۸۶) وہ شاہ صاحب کے رفیق درس بھی تھے۔ شیوخ حجاز سے صحیح بخاری اور سنن دارمی کے درس میں شاہ صاحب کے شریک رہے (القول الجلی ص ۴۹۱) وہ شاہ صاحب کے مسٹر شد بھی تھے۔ انہوں نے شاہ صاحب سے دوران طلب علم ہی میں بیعت کر لی تھی (ص ۴۸۶) اور مسجد الحرام میں میزاب رحمت کے نیچے بیعت ثانیہ کی تھی۔ (ص ۴۹۱)

شاہ محمد عاشق کی ولادت ۱۱۱۰ھ میں پھلت (ضلع مظفرنگر، اتر پردیش، بھارت) میں ہوئی تھی۔ یوں وہ شاہ صاحب سے چار سال بڑے تھے۔ مستقل قیام پھلت میں ہی رہا مگر تحصیل علوم کے عہد کے علاوہ بھی بکثرت دہلی آتے جاتے رہتے تھے خصوصاً (شدید مجبوری کے سوا) ہر سال ماہ صیام میں دہلی میں آتے اور شاہ صاحب کے ساتھ معتکف رہتے تھے۔ شاہ صاحب سے مسلسل مراسلت کرتے رہتے تھے۔ شاہ صاحب کے مسودات کی تہیض ہی نہیں بلکہ ان کے متفرق شذرات کی جمع و ترتیب بھی وہ عمر بھر بڑے اہتمام اور ذوق و شوق سے کرتے رہے۔ شاہ صاحب جو مکاتیب خود ان کے اور دوسرے حضرات کے نام لکھتے تھے انہیں حاصل کر کے حفاظت سے رکھتے تھے۔ مختصر یہ کہ شاہ محمد عاشق، شاہ ولی اللہ کے عاشق تھے اور ان دونوں کو باہم وہی نسبت خاطر تھی جو حضرت نظام الدین اور امیر خسرو کے درمیان تھی۔ شاہ صاحب بھی دوسرے اعزہ اور متوسلین کے مقابلے میں ان سے خصوصی محبت کرتے تھے۔ کہیں ان کو "اعز اخوان واجلہ خلان" لکھا ہے، کہیں سجادہ نشین اسلام کرام، کہیں وعاء علمی و حافظ اسراری و ناظور کتبی و الباعث علی التسوید اکثر منها و المباشر لتبیضہ (میرا ظرف علم، میرے اسرار کے امین، میری کتابوں کے نگراں، میری اکثر کتابوں کے سبب تالیف، میرے مسودات کو صاف کرنے

والے) لکھا ہے۔

شاہ صاحب نے خود بھی کئی کتابیں تالیف کیں جو افسوس ہے کہ اب تک سب کی سب غیر مطبوعہ ہی نہیں بنایا اب بھی ہیں۔

۱۔ شاہ صاحب کی الخیر الکثیر کی شرح۔

۲۔ درایات الاسرار۔

۳۔ شرح اعتصام الامین

۴۔ کشف الحجاب

۵۔ تذکرۃ الواقعات

۶۔ سبیل الرشاد

۷۔ مکاتیب شاہ ولی اللہ

۸۔ القول الجلی فی ذکر آثار الولی

القول الجلی:

القول الجلی، شاہ صاحب کی حیات ہی میں مرتب ہو گئی تھی اور ۱۱۶۲ھ میں اس کے پہلے دو باب مکمل ہو چکے تھے (ص ۶۹۳) تیسرا اور آخری باب بعد میں تحریر کیا گیا اور پہلے باب میں شاہ صاحب کے وصال کی فصل کا اضافہ، حادثہ، وفات ۱۱۷۶ھ کے بعد کیا گیا۔ کتاب کے استناد کے متعلق مؤلف کا بیان ہے کہ:

”بیچ چیز دریں رسالہ بقید قلم نیاوردہ مگر کہ برآں جناب مکرر عرض شدہ

وبشرف اصلاح نیافتہ“ (ص ۴)

”اس رسالے میں کوئی چیز ایسی نہیں لکھی گئی جسے شاہ صاحب نے ملاحظہ نہ فرمایا ہو

اور اصلاح نہ فرمائی ہو“۔

اور خود شاہ صاحب نے اپنی خودنوشت میں اس کی تصدیق و تصویب فرمائی ہے:

”بعض اعز اخوان واجلہ خلان تفصیل آں واقعات باوقائع دیگر

در رسالہ مضبوط نمودہ اندو آں را بہ قول جلی مسمی کردہ اند جزا و اللہ خیر  
الجزاء و احسن الیہ والی اسلافہ و اعقابہ و ادخلہ الی ماتیمناہ من دینہ و دنیا“  
(ص ۹۴)

”ایک عزیز ترین بھائی اور محترم دوست نے ان باتوں اور میرے  
دوسرے حالات زندگی کو ایک رسالے میں جمع کر دیا ہے اور اس کا نام  
قول جلی رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں بہتر جزا دے اور ان کے بزرگوں  
اور اخلاف کے ساتھ اچھا معاملہ فرمائے اور ان کی دین اور دنیا کی  
خواہشوں کو پورا کرے۔“

کتاب تین اقسام (ابواب) پر مشتمل ہے:

۱۔ شاہ صاحب کے سوانح (ص ۲۷۹ تا ۲۷۷)

۲۔ شاہ صاحب کے ارشادات (ص ۳۶۶ تا ۳۷۹)

۳۔ تلامذہ و مسترشدین کے تراجم و فضائل (ص ۳۶۶ تا ۳۹۸)

ان میں سے پہلے دو باب ہی اہم اور اصل ہیں اور ۳۶۶ صفحات پر محیط ہیں  
تیسرے باب کو خود مؤلف نے بمنزلہ ذیل قسم اول قرار دیا ہے اور ۱۳۲ صفحات کا ہے۔  
اضافات:

القول لہجلی سے شاہ صاحب کے سوانح کے سلسلے میں بہاری معلومات میں  
جو اضافات ہوئے یا اب تک کی معلومات کی جو تصحیح ہوئی ہے ذیل میں اختصار کے ساتھ ان  
کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱)

شاہ صاحب کی والدہ (شاہ عبدالرحیم کی دوسری اہلیہ) کا نام فخر النساء تھا اور وہ  
”بعلوم شریعت از تفسیر و حدیث عالمہ و بآداب طریقت متاد بہ باقیم حقیقت عارف و بمصداق  
اسم خود فخر النساء بودند و درین معنی از بس از رجال سبقت نمودہ“ (ص ۶)

(۲)

شاہ صاحب نے اپنے معلوم سفر حج سے پہلے بھی ایک بار حج کے ارادے سے سفر اختیار کیا تھا مگر کھنباہیت سے لوٹ آئے تھے۔ بیس سال کی عمر میں ۱۱۳۳ھ میں ہی غالباً جذب کی سی کیفیت میں سفر حج کا عزم کر لیا تھا۔ والدہ تک سے حج کے بجائے توریے کے طور پر کسی دوسرے (قریبی) مقام کا نام لیا تھا اور زاہد اور راہ کی فکر کیے بغیر بے سرو سامانی کے عالم میں نکل کھڑے ہوئے تھے اور کئی اصحاب طریقت بھی ساتھ ہو گئے تھے جنہیں لے کر پیدل روانہ ہو گئے تھے۔ راجپوتانے (راجستھان) کے راستے احمد آباد ہوتے ہوئے کھنباہیت پہنچ گئے جہاں سے جہازوں کے ذریعے روانہ ہونا تھا مگر وہاں ایک اشارے کی بنا پر فتح عزم کر کے واپس گھر تشریف لے آئے تھے (ص ۲۵-۲۷) اس سفر پر روانہ ہوتے وقت شاہ صاحب کے پاس تین چار روپے سے زیادہ نہیں تھے۔ رفقاء بھی تہی کسر تھے، اتنا طویل سفر درپیش تھا مگر ایک وقت بھی فاقہ کی نوبت نہیں آئی بلکہ شاہ صاحب اور ان کے ہم سفر اصحاب مستقل طور پر اعلیٰ درجے کی غذا استعمال کرتے رہے۔

شاہ صاحب کے توکل کا یہ عالم تھا کہ رفقاء سفر اگر کفایت کے پیش نظر کم درجے کی غذا کا اہتمام کرنا چاہتے تو شاہ صاحب منع فرماتے اور ارشاد فرماتے کہ ”جب ہم نے اللہ تعالیٰ کے تکفل پر اعتماد کر لیا ہے تو اب اس کی مرضی یہ نہیں کہ کم تر درجے کی غذا استعمال کریں۔ تم میں سے جس کا جس چیز کو جی چاہے وہی غذا بے تکلف استعمال کرو“ اس کے علاوہ شاہ صاحب سے اس سفر میں تسلسل اور تواتر کے ساتھ کرامات کا ظہور ہوا۔

(۳)

دوسری بار شاہ صاحب نے ۱۱۳۳ھ میں سفر حج کا عزم کیا اور ۸ ربیع الاول کو روانہ ہو گئے۔ ۱۵ ذی قعدہ ۱۱۳۳ھ کو مکہ معظمہ پہنچے۔ حج سے فراغت کے بعد ربیع الاول ۱۱۳۳ھ میں مدینہ منورہ پہنچے۔ ۱۵ شعبان کو مکہ معظمہ واپس ہوئے۔ حج ثانی کیا اور ۱۴ رجب ۱۱۳۵ھ کو دہلی واپس پہنچے گئے۔

شاہ صاحب نے یہ سفر دہلی سے پنجاب اور سندھ ہوتے ہوئے سورت تک اس طرح کیا کہ راہ میں جہاں جہاں بزرگوں کے مزارات آتے ان پر حاضری دیتے اور مراقب ہوتے۔ پانی پت میں شاہ بوعلی قلندر کے، سرہند میں حضرت شیخ مجدد کے، لاہور میں شیخ ہجویری کے، ملتان میں مخدوم بہاء الدین زریا اور شاہ رکن عالم کے مزارات پر حاضری دیتے ہوئے سندھ میں داخل ہوئے اور نصر پور سے ٹھٹھہ اور وہاں سے سورت پہنچے۔ سورت سے جہاز میں جدہ اور جدہ سے مکہ معظمہ پہنچے۔ واپسی میں سورت سے دوسرا راستہ اختیار فرمایا اور گوالیار میں خواجہ خانو اور شیخ محمد غوث کے اور آگرہ میں امیر ابو العلی کے مزارات کی زیارت کرتے ہوئے دہلی واپس پہنچے۔

اس سفر میں ملتان میں بہت سے حضرات آپ سے بیعت ہوئے اور نصر پور میں تو بکثرت علماء فضلاء دور دور سے سفر کر کے آئے، آپ سے استفادہ کیا اور بیعت کی۔ ٹھٹھہ میں تو شہر کے تمام ہی علماء اور صوفیہ داخل سلسلہ ہوئے۔ انہی میں سندھ کے مشہور عالم اور مصنف محمد معین بھی تھے جو اجازت سے سرفراز ہوئے۔ (ص ۳۸-۳۹)۔

شاہ صاحب کی ایک صاحبزادی صالحہ تھیں جو جوان اور شادی شدہ تھیں مگر شاہ صاحب کی حیات میں ہی ان کی رحلت ہو گئی تھی (ص ۱۷۵) شاہ صاحب کے ایک صاحبزادے میاں سعد الدین تھے (ص ۲۰۲) شاید یہ نو عمری ہی میں وفات پا گئے کیونکہ پھر کسی موقع پر ان کا نام نہیں آیا شاہ عبدالعزیز کا بیان ہے کہ ”والدین را و دوک بس مرده بودند“ شاید میاں سعد الدین بھی عبد طفلی میں ہی وفات پا گئے۔

### (۵)

شاہ صاحب مستقل طور پر مہندیوں میں مقیم تھے (جسے اس زمانے میں متحدہ و شہد زور کہتے تھے) مگر صفدر جنگ (۱۷۵۳ء) کے جنگاے کے دوران نیز مندوں کی درخواست پر عارضی طور پر ”نئی دہلی“ منتقل ہو گئے تھے (ص ۲۰۶)

کوشک زور اس دور میں پرائی دہلی میں شمار ہوتے تھے اور شاہ جہاں کی بساطی ہوئی دہلی

کو "نئی دلی" کہتے تھے۔ ۱۹۱۲ء میں فرنگیوں نے اپنی نئی دلی بسائی تو شاہ جہاں کی دلی پرانی دلی بنانے لگی۔

(۶)

احمد شاہ درانی کے حملے کے دوران ۱۷۷۳ء میں شاہ صاحب عارضی طور پر دلی سے بدھانہ (ضلع مظفر نگر) منتقل ہو گئے تھے۔ (ص ۲۳۰)

(۷)

شعبان ۱۱۷۳ھ میں شاہ صاحب، بدھانہ میں مقیم اور حسبِ عادت اعتکاف اربعین میں تھے۔ بازو میں درد محسوس ہونے لگا۔ درد جب شدید ہو گیا تو خلوت موقوف فرمائے علاج کی طرف توجہ فرمائی۔ درد کے ازالے کے بعد پھر خلوت اختیار فرمائی تو درد پھر عود کر آیا، جو علاج سے زائل تو ہو گیا مگر سقوطِ اشتہا، صلابتِ معدہ، ہمو، نفس اور سوء التقدیر کے عوارض لاحق ہو گئے۔ مقامی اطباء کے علاج سے جب افاقہ نہیں ہوا تو دہلی سے ایک عقیدت کیش اور فاضل طبیب بدھانے آئے اور معالجہ کا آغاز کیا مگر عوارض میں تھکیف نہیں ہوئی تو ۸ ذی الحجہ کو دہلی تشریف لے گئے۔ وہاں متعدد اطباء نے اپنی اپنی تشخیص کے مطابق تدابیر اختیار کیں مگر عوارض میں اشد ادوی ہوتا گیا ایک دن طبیعت زیادہ بگڑ گئی اور اطراف سرد ہو گئے، نبض غائب ہوئی تو معالجہ مایوس ہو گئے۔ اسی حالت میں ایک دن حضرت مرزا مظہر جان جاناں عیادت کے لیے تشریف لائے اور تھکے کر کے ڈیزہ گھنٹہ تک مراقبہ کیا۔ مرزا صاحب کے رنجست ہوتے ہی حالت متغیر ہونے شروع ہوئی اور آنا فانا موت کے آثار مرتب ہونے لگے، یہاں تک کہ ظہر کے وقت (۳ محرم الحرام ۱۱۷۶ھ و) وصال ہو گیا (ص ۲۵۹-۲۶۲)

(۸)

شاہ صاحب کے ذہنی ارتقا کے جائزے کے لیے ان کی تالیفات کی ترتیب زمانی کا تعین ضروری ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلی و شش واکثر مظہر لہجائی کی تھی۔ اب

القول کی اشاعت کے بعد اس موضوع پر بات آگے بڑھائی جاسکتی ہے۔ دو کتابوں کے سنین تالیف کا تعین تین کے ساتھ ہو گیا ہے۔

(۱) فیوض الحرمین کی تالیف حجاز میں ہی ہو گئی تھی۔ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ واپسی (رمضان ۱۱۴۴ھ) میں اعتکاف کے دوران یہ کتاب تالیف کی گئی۔ (ص ۴۷)

(۲) المقدمہ السنیہ کی تحریر بھی مکہ معظمہ میں اسی سال ہوئی۔ شیخ ابوطاہر کی فرمائش پر شاہ صاحب نے شیخ مجدد الف ثانی کے رسالہ رد و انقض کی تعریف کی تھی۔ (ص ۴۶)

(۳) القول الجمیل فی بیان سواء السبیل، یہ کتاب شاہ صاحب کے سفر حج (۱۱۴۳ھ) سے پہلے ہی مرتب ہو گئی تھی اور شاہ صاحب اسے ساتھ حجاز لے گئے تھے، جہاں شیخ ابوطاہر کردی نے اپنے ہاتھ سے اس کی نقل کی اور پھر شاہ صاحب سے اس کا درس لیا۔ دیار مغرب، بصرہ، مصر کے متعدد اصحاب طریقت نے بھی اس کی نقول حاصل کیں اور شاہ صاحب سے اجازت حاصل کی۔ (ص ۴۷ و ۴۸)

### (۹)

شاہ صاحب کے جو مکاتیب اب تک دریافت اور شائع ہو چکے ہیں، القول میں ان کے علاوہ متعدد نئے مکاتیب نظر آتے ہیں۔ مختلف مقامات پر القول میں ہی کل گیارہ مکاتیب ہیں ان میں سے ایک ایک مکتوب نجیب الدولہ، ملکہ زینت محل اور مخدوم محمد معین تنوی کے نام اور آٹھ مکاتیب شاہ محمد عاشق کے نام ہیں۔ (ص ۱۸۹، ۱۹۹، ۲۰۷، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۵۴، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۸۲)

### (۱۰)

مکاتیب کے علاوہ القول میں شاہ صاحب کی بعض نئی تحریریں بھی ہیں، مثلاً (۱) ایک مسترشد شیخ شرف الدین کی تالیف نقوۃ التصوف پر شاہ صاحب کی تقریظ (ص ۴۷۶)۔ (۲) شاہ صاحب نے خواجہ محمد امین کی درخواست پر ”قواعد سوک“ کے سلسلے میں رباعیات نظم فرمائی تھیں اور ساتھ ہی ان کی شرح بھی کی تھی۔ (ص ۳۱۱ تا ۳۱۳)



## (۱۱)

القول میں شاہ صاحب کی حسب ذیل تصانیف و تالیفات کے نام دیئے گئے ہیں:

- |  |                     |
|--|---------------------|
| ۱۔ تہیّمات الہیہ                                 | ۲۔ حجۃ اللہ البالغہ |
| ۳۔ الخیر الکثیر                                  | ۴۔ لمحات            |
| ۵۔ ہمعات   | ۶۔ الطاف القدس      |
| ۷۔ فیوض الحرمین                                  | ۸۔ ہوامع            |
| ۹۔ فتح الرحمن                                    | ۱۰۔ اطیب النعم      |
| ۱۱۔ اعتصام الایمن بحبل اللہ بذریعہ توسل ولی اللہ |                     |
| ۱۲۔ القول الجمیل                                 | ۱۳۔ سطعات           |
| ۱۴۔ انفاس العارفین                               | ۱۵۔ المقدمۃ السنیہ  |
| ۱۶۔ المسوی                                       | ۱۷۔ المصنّی         |
| ۱۸۔ قرۃ العینین                                  | ۱۹۔ الفوز الکبیر    |
| ۲۰۔ فتح الخبیر                                   | ۲۱۔ الانصاف         |
| ۲۲۔ شفاء القلوب                                  | ۲۳۔ عقد الجید       |
| ۲۴۔ مکتوب مدنی                                   | ۲۵۔ وصیت نامہ       |

مگر حیرت ہے کہ یہ فہرست مکمل نہیں ہے اور مذکورہ کتابوں کے علاوہ شاہ صاحب کی اور بھی تالیفات ہیں۔ مثلاً

خود شاہ صاحب نے اپنی حسب ذیل دو کتابوں کا ذکر کیا ہے۔

(۱) النخبۃ فی سلسلۃ الصحبہ <sup>۱۳</sup>

(۲) الفضل المبین فی المسلسل من حدیث النبی الامین <sup>۱۴</sup>

حاشیہ رسالہ لبس الاحمر کا ذکر شاہ عبدالعزیز نے کیا ہے۔ <sup>۱۵</sup>

حسب ذیل کتابیں مطبوعہ ہیں:

- (۱) از الہ الخفاء (۲) البدور البازغہ  
 (۳) تاویل الاحادیث (۴) الجزء اللطیف  
 (۵) رسالہ دانش مندی (۶) الدر الثمین  
 (۷) النواور (۸) الارشاد الی مہمات الاسناد  
 (۹) تراجم ابواب بخاری (۱۰) الانتباه فی سلاسل اولیاء اللہ  
 (۱۱) اتحاف النبیہ (۱۲) شرح تراجم ابواب بخاری  
 (۱۳) کشف الغمین (۱۴) سرور المحزون  
 (۱۵) السرا المکتوم (۱۶) صرف منظوم

حسب ذیل دو کتابوں کا ذکر مولانا سید محمد نعمان رائے بریلوی نے کیا:

- (۱) منصور (۲) اسرارِ فقہ

حسب ذیل آٹھ تالیفات کا ذکر عبدالرحیم ضیاء نے مقالاتِ کلطریقت میں کیا ہے:

- (۱) فتح الودود فی معرفۃ الجنود (۲) عوارف  
 (۳) واردات (۴) نہایات الاصول  
 (۵) الانوار المحمدیہ (۶) فتح اسلام  
 (۷) ردّ روافض (در ردّ گوہر مراد) (۸) کشف الانوار

(۱۲)

شاہ صاحب پر اب تک دستیاب مآخذ کی بناء پر میرا تاثر یہ تھا کہ وہ اپنی حیات میں نہ زیادہ متعارف تھے اور نہ مقبول۔ ان کا نام ان کے بعد شاہ عبدالعزیز کی شہرت کے بعد روشن ہوا تھا اور ۱۸۰۱ء میں لطف<sup>۱۸</sup> نے اور ۱۸۲۳ء میں<sup>۱۹</sup> رنگین نے ان کا تعارف شاہ عبدالعزیز کے والد کی حیثیت سے کروایا تھا، مگر القول الجلی کے مطالعے کے بعد یہ تاثر بانی نہیں رہا۔ شاہ صاحب اپنی حیات میں ہی متعارف تھے اور اللہ نے انہیں قبول خواص بھی عطا کیا تھا اور ان کی شخصیت میں ابتداء ہی سے بڑی جاذبیت تھی۔ وہ بیس سال کی عمر میں جب

اچانک اور کسی قدر اخفاء کے ساتھ اور پاپیادہ سمرج کے لیے روانہ ہوئے تو نیاز مندوں کی ایک جماعت ان کے ساتھ تھی۔ (ص ۲۹، ۲۶، ۲۵) بعد میں جیسے ان کے فضائل و کمالات نمایاں ہوتے گئے ان کا حلقہ تعارف و ارادت وسیع ہوتا گیا اور ان کے رد ہجوم خلقت رہنے لگا۔ (ص ۱۱۵-۱۵۸)

ان آنے والوں میں دعا خواہ عوام بھی تھے، طالبان علوم بھی، جادہ طریقت کے راہ رو بھی، مرکزی حکومت کے اونچے درجے کے حکام بھی، ملکہ زینت محل بھی ان سے ربط و نسبت رکھتی تھی اور تخت نشینی کے امیدوار بھی۔ ایک بادشاہ وقت احمد شاہ (۱۸۵۳ء-۱۷۸۳ء) نے ان کے آستانے پر نیاز مندانہ حاضری دی تھی۔ مختصر یہ کہ مدرسہ رحیمیہ کی طرف رجوع خلق شاہ عبدالعزیز کے عہد میں نہیں خود شاہ صاحب کے عہد میں ہونے لگا تھا اور صرف دہلی اور اس کے نواح نہیں کشمیر اور سندھ تک یہ سلسلہ دراز تھا۔ شاہ صاحب ۱۱۴۳ھ میں (ستائیس سال کی عمر میں) سمرج کے لیے نکلے اور پانی پت، سرہند، لاہور، ملتان ہوتے ہوئے سندھ میں داخل ہوئے تو

”از ہمہ جا علماء و طلبہ خبر قدم فیض لزوم ایساں شنیدہ می دویدند و سعیہای نمودند۔“ (ص ۲۹)

”ان کی تشریف آوری کی خبر سن کر ہر طرف علماء اور طلبہ دوڑے آتے تھے اور استفاضے کی کوشش کرتے تھے۔“

نصر پور (نزد ٹھٹھہ) میں سندھ کے کئی علماء دور دور سے آ کر بیعت ہوئے اور اشغال کی اجازت حاصل کی (ص ۳۹) سندھ کے نامور عالم اور اہل قلم مخدوم محمد معین تنوہی بھی اسی موقع پر داخل سلسلہ ہوئے تھے۔ سندھ کے بعد کشمیر کا درجہ ہے۔ شاہ صاحب نے مستفیدین اور عقیدت مندوں ہی میں سندھ کے بعد سب سے زیادہ تعداد کشمیر کے طالبان علوم اور مسترشدین کی ہے شاہ صاحب کے تلامذہ اور مسترشدین کی جو فہرست میں نے ”شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان“ میں دی ہے (ص ۵۱، ۵۰) ان کے علاوہ حسب ذیل مشتبہین کے

نامہ انتقون اعلیٰ میں ملے۔

- ۱۔ مولوی محمد اعظم کشمیری (ص ۷، ۱۳۳، ۱۹۶) ۲۔ محمد قطب رہتلی (ص ۳۳)
- ۳۔ ہدایت اللہ تھوری (ص ۸۳)
- ۴۔ سید محمد خاں سندھی (ص ۸۸)
- ۵۔ سلطان حسین (ص ۸۹)
- ۶۔ شیخ شمس الحق (ص ۹۰)
- ۷۔ میر افضل (ص ۱۱۱)
- ۸۔ خواجہ ابوالخیر کشمیری (ص ۱۷۷)
- ۹۔ پتہ اللہ (ص ۱۳۳)
- ۱۰۔ حافظ محمد کشمیری (ص ۱۷۷)
- ۱۱۔ شیخ محمد مراد بدخشی (ص ۱۵۸)
- ۱۲۔ حافظ محمد افضل کشمیری (ص ۱۷۷)
- ۱۳۔ خلیما ابوالوفاء کشمیری (ص ۲۳۳، ۲۵۶، ۲۵۷)
- ۱۴۔ خواجہ عبدالکلیم (ص ۲۵۵)
- ۱۵۔ محمد جواد (ص ۲۵۸)
- ۱۶۔ محمد بیگ (ص ۲۶۲)

(۱۳)

میں نے ”شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان“ میں متفرق مقامات سے شاہ صاحب کے اشعار یک جا کر دیے ہیں مگر القول لکھی میں جو مزید اشعار نظر آئے وہ یہاں درج کیے جاتے ہیں:

کہ باور دارد این حرف از فقیر خاکسار من  
کہ ظل عالم قدس است انکار و قبول او  
ندارد با طش از خویش آئینہ صفت رنگے  
ظلم حیرت آموزست تمکین و فصول او  
شعاع آفتاب از راہ این روزن ہی ریزد  
بجز این نکتہ نتواں بست مضمون وصول او  
حباب آسا ز خود خالی ز سطح بحر می جوشد  
وجود او نمود او شہود او حصول او  
(ص ۲۵۶)

## رباعیات

علمی کہ نہ ماخوذ ز مشکوٰۃ نبی ست  
 واند کہ سیرابی از اس تشنہ لبی ست  
 جائے کہ بود جلوۂ حق حاکم وقت  
 تابع شدنِ حکمِ خرد بولہبی ست  
 (ص ۳۱۱)

۲ دان چہ بود نیچِ قدیم اے ولداری!  
 شغلِ دل تو با ظاہر و باطن با یار  
 ایں را شوی از درسِ عوارف عارف  
 و ان فنِ دگر بار بگیر از احرار  
 (ص ۳۱۱)

در مذہب ما ہست ز اسبابِ غرور  
 ذکرے کہ بود عاقلان از انوارِ حضور  
 در حاشیہ نعی بشو از خلقِ نفور  
 از جانبِ اثبات برو سوئے غفور  
 (ص ۳۱۱)

مستی دولہ شرطِ طریقِ افتادہ ست  
 بے مست شدنِ کار کے نکشادہ ست  
 در ذکرِ خفی جہرِ تخیلِ کردن  
 شرطِ ست ز استادِ طریقِ یادہ ست  
 (ص ۳۱۱)

خواہی کہ مئے حرفِ محبت نوشی  
 باید کہ بتقلیلِ علاقِ کوشی  
 دل را ز خیالاتِ جہاں صرف کنی  
 چشم از صورِ جملہٴ عالم پشی  
 (ص ۳۱۲)

در عشق تو از جملہٴ جہاں بگوشم  
 و ز ہرچہ بجز یاد تو زان بگوشم  
 مقصود این بندہ بجز وصل تو نیست  
 اندر طلب از دل و جاں بگوشم  
 (ص ۳۱۲)

دائم دل من پیش تو حاضر باشد  
 چشم بر رخ خوب تو ناظر باشد  
 در غیب ما شرک جلی ست و صریح  
 گر سوئے دگر خطرہٴ خاطر باشد  
 (ص ۳۱۲)

دانی چہ بود سہل کثیر البرکات  
 در شرب اہل دل وجودِ عدات  
 تحصیلِ علوم ست بسی مانع  
 در قہی خواطر و در شدِ جہات  
 (ص ۳۱۲)

خوش آں کہ بانوارِ وضو رنگین ست  
 زیرا کہ طہارت ز اصول دین ست  
 تنویر دل و نفی خواطر خواہی  
 اقوی ذریعہٴ حصول این ست  
 (ص ۳۱۲)

تحصیلِ عدم اگر ندانی کردن؟  
 باید نظر اہل قنایت جستن  
 این داءِ عضال را دوائے بہ ازین  
 در حکمت اہل ہذل نخواہی دیدن  
 (ص ۳۱۲)

آنان کہ ز اذناس بیکہی رستند  
 با نچہ انوارِ قدم پیوستند  
 فیضِ قدس از بہمت ایشان می جو  
 دروازہٴ فیضِ قدس ایشان ہستند  
 (ص ۳۱۲)

آں ذات کہ ازقید جہت بیرون ست  
 ازحیطہٴ اسماء و صفت بیرون ست  
 ہر مرتبہ زان ذات نشانے دارد  
 ہر چند ز تعیین سمت بیرون ست  
 (ص ۳۱۲)



ہر مدد کہ شد منظر آں یار عجیب  
ظاہر شد از صورتش آثارِ عجیب  
در لوحِ دل از ثبتِ کئی صورتِ او  
پیدا شود از لوحِ دل اسرارِ عجیب  
(ص ۳۱۲)

اے دوست نونئی دیدہ بینائی من  
شنوائی و دانائی و گویائی من  
عشق تو و ہم دلِ غم دیدہ من  
و اندر دلِ غم دیدہ شکیبائی من  
(ص ۳۱۳)

### در شانِ شاہ عاشق

آنی تو کہ از نام تو می بارد عشق  
از نامہ و پیغام تو می بارد عشق  
عاشق شود آں کس کہ بکویت گزرد  
آرے ز در و بام تو می بارد عشق  
(ص ۲۸۳)

### تاریخِ سفرِ حج

ز دہلی بر آمد ولی بہر حج  
ہشتم صبح از ربیع دوم  
ہزار و صد و چہل و سہ سال بود  
کہ این داعیہ گشت با فعلِ ضم  
(ص ۱۲۹)

## تاریخِ مراجعت از سفر حج

وکی چون پس از حج بہیلی رسید  
 سر آمد سفر منقطع گشت رنج  
 بتاریخ رابع عشر از رجب  
 ز سال ہزار و صد و چہل و پنج  
 (ص ۲۹)

۱۲

## ایام عاشورہ میں فاتحہ

”در ایام عاشورہ از جانب ائمہ اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین مکرر اشارات معلوم شد کہ چیزے برائے فاتحہ ایساں باید کرد بنا بر آں روزے چیزے از حلاوت حاضر کردہ شد و قرآن ختم نمودہ فاتحہ خواندہ شد پس سرور و ابتهاج از ارواح طیبہ ایساں مشاہدہ افتاد۔“ ۲۰  
 (ص ۸۰-۸۱)

”ایام عاشورہ میں ائمہ اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف سے ایک بے زیادہ باریہ اشارات ملے کہ ان کی فاتحہ کے لیے کچھ اہتمام کرنا چاہیے اس لیے ایک دن کچھ شیرینی منگائی گئی اور قرآن کریم کا ختم کر کے فاتحہ پڑھی گئی تو ان حضرات کی ارواح پاک کی طرف سے خوشی کی کیفیت نظر آئی۔“

## زیارتِ مومئے مبارک

در دو از دہم ربیع الاول بحسب دستور القدریم قرآن خواندم و چیزے

نیازا نحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قسمت کردم و زیارت موئے شریف نمودم۔“ (ص ۷۴)

”بارہ ربیع الاول کو میں نے دستور قدیم کے مطابق قرآن پاک کی تلاوت کی اور آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نیاز کے طور پر کچھ تقسیم کیا اور موئے شریف کی زیارت کی۔“

## عرس

”روز مجلس عرس حضرت بزرگ قدس سرہ حضرت ایساں بر مزار پر اسرار نشستہ بودند“ (ص ۳۶)

شاہ ولی اللہ صاحب، شاہ عبدالرحیم صاحب کے عرس کی مجلس میں ان کے مزار پر اسرار پر بیٹھے ہوئے تھے۔

”حضرت ایساں فرمودند کہ شب عرس حضرت شیخ ابوالرضا محمد قدس سرہ کہ در مقبرہ شاں ہنگامہ و سرودے و بمردماں شوق و وجدے بود، در مسجد خویش بعد عشائے نشستہ بودم کہ یک پارہ نور آوردند و گفتند آنچه در آں جاذوق و شوق و برکات توجہ روح مبارک شاں بود ہمہ مرکب شدہ ایں صورت گرفتہ کہ اربال یافتہ“ (ص ۱۰۱)

شاہ ولی اللہ نے فرمایا کہ میرے چچا حضرت شاہ ابوالرضا محمد قدس سرہ کے عرس کی رات ان کے مقبرے میں محفل سماع برپا تھی اور حاضرین پر شوق و وجد کی کیفیت طاری تھی میں عشاء کے بعد اپنی مسجد میں بیٹھا تھا کہ ایک پارہ نور لایا گیا اور کہا گیا کہ محفل عرس میں جو ذوق و شوق

اور ان کی روح مبارک کی توجہ کی برکات تھیں وہ سب مرکب ہو کر اس نور کی شکل اختیار کر گئی ہیں جو تمہارے پاس بھیجا گیا ہے

”ہم دریاں ایام موسم عرس حضرت شیخ  
بزرگ عبدالرحیم قدس سرہ رسید“  
”انھی دنوں حضرت شاہ عبدالرحیم کے  
عرس کا وقت آ گیا“ (ص ۲۵۵)

### قبر پر مراقبہ

”فرمودند۔۔۔ پس ما بر مزار شریف (والد ماجد) اکثر اوقات متوجہ بروحانیت شاہ می نشستم  
پس راہ حقیقت بر ما کشادہ شد“ (ص ۲۶۳)

”شاہ صاحب نے فرمایا میں اکثر والد ماجد کے مزار پر ان کی روحانیت کی طرف توجہ کر کے  
بیٹھ جایا کرتا تھا جس سے راہ حقیقت مجھ پر واضح ہو گئی۔“

### تعویذ

(۱) ”حضرت ایشاں بقضیہ رہتک تشریف بردند و برائے اطفال تعویذ ہا نوشتند“ (ص ۳۴)

”شاہ صاحب (ایک بار) رہتک گئے ہوئے تھے اور وہاں مخلصوں کے بچوں کے لیے  
تعویذ لکھ رہے تھے۔“

(۲) شاہ صاحب کے ایک مسترشد حافظ عبدالرحمان کا بیان ہے کہ میرا بچہ چیچک میں مبتلا  
ہو گیا، میں نے حضرت (شاہ ولی اللہ) سے گزارش کی، حضرت نے تعویذ عنایت کیا اور بچے  
نے شفا پائی۔ (ص ۱۰۱)

”ہر کہ از آں جناب استفاضہ شفا از علل و امراض مے نماید تعویذ و دعا

بایشاں حوالہ مے فرماید۔“ (ص ۲۵۴)

”جو کوئی شاہ صاحب سے بیماری سے شفا حاصل کرنے کے لیے توجہ کی درخواست کرتا آپ تعویذ اور دعا کے لیے حافظ عبدالرحمان کے حوالے فرمادیتے۔“

۳۔ شاہ صاحب کے ایک مستر شد سلطان حسین خاں کا بچہ شدید بیمار ہو گیا اس کی درخواست پر آپ نے ایک طرف چینی پر آیات قرآنی اور اسماء الہی لکھ کر اس کو دے دیئے کہ اسے دھو کر بچے کو پلا دو اور تین دن تک پانچ روپے روزانہ ”نیاز بزرگان“ کے طور پر ہمیں لا کر دو۔ ان پانچ روپوں میں سے ایک روپیہ حضرت غوث اعظم اور ان کے اولیاء سلسلہ کا اور ایک روپیہ خواجگان چشت کا اور ایک روپیہ سلسلہ سہروردیہ و کردیہ کا اور ایک روپیہ سلسلہ شطاریہ و شاذلیہ کا۔ مستر شد نے اس پر عمل کیا، بچے نے شفا پائی اور اس نے مقررہ نیاز لا کر پیش کیا۔

(ص ۸۹، ۹۰)

## انگوٹھی

”بارے در شرف زہرہ در قمر ساختن دو انگشتری اتفاق افتاد و بدو کے از نسواں حوالہ نمود۔

(ص ۱۱۰)

”ایک بار میں (شاہ صاحب) نے شرف زہرہ در قمر میں دو انگوٹھیاں بنائیں اور عورتوں کو (پہننے کے لیے) دیں۔“

## فضائل درود

”از آں جملہ آنت کہ خوانندہ درود از رسواں... نشان ماند و خللے در آبرو نہ پذیرد“

(ص ۲۷۷-۲۷۸)

”درود شریف کے فضائل میں سے ایک یہ ہے کہ اس کا پڑھنے والا دنیا کی رسوائی سے محفوظ رہتا ہے اور اس کے آبرو میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔“

## غوثِ اعظم

شاہ صاحب نے اپنے ارشادات میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے لیے متعدد مواقع پر غوثِ اعظم کا استعمال کیا ہے (ص ۸۱-۲۸۵) غوثِ اعظم کا استعمال بعض حضرات کی نظر میں قابلِ اعتراض ہے۔

## سدا سہاگ

”درہنگام عبور در احمد آباد بر قبر موسیٰ سہاگ کہ مجذوبے مشہور بود گزرا قناد“ (ص ۳۳۶)  
 ”(ایک سفر کے دوران) احمد آباد سے گزرتے ہوئے موسیٰ سہاگ کی قبر پر تشریف لے گئے جو ایک مشہور مجذوب تھے۔“

یہ بزرگ سدا سہاگی فرقے سے تعلق رکھتے تھے اور  
 ”ابتاع وے ہمہ متشبیہین بہ نساء بودند و دریں کتبہ اقتدا ابوئے داشتند“  
 ”موسیٰ سہاگ کے پیروان کی اقتدا میں (لباس و اوضاع میں) عورتوں سے  
 مشابہت اختیار کرتے تھے۔“

شاہ صاحب کے ان ملفوظات و معمولات کو پڑھ کر شاہ صاحب کی طرف ان کے  
 انتساب میں تامل ہوتا ہے۔ اور سوچنا پڑتا ہے کہ یہ شاہ صاحب کے ہو سکتے ہیں؟ اس تامل کی  
 وجہ یہ ہے کہ اب تک ہمارے ذہن میں شاہ صاحب کی جو تصویر تھی وہ اس تصویر سے بہت  
 مختلف ہے جو القول الجلی کے آئینے میں نظر آتی ہے اور اب تک ہم شاہ صاحب کو جس  
 مسلک فقہی کا ترجمان اور داعی سمجھتے تھے یہ تحریریں اس سے مختلف ہیں۔

ہمیں تسلیم ہو یا نہ ہو اور پسند آئے یا نہ آئے ان ملفوظات و معمولات کے شاہ  
 صاحب کی طرف استناد میں کلام کی گنجائش نہیں ہے۔ القول الجلی اس شخص کی مرتبہ ہے جو شاہ  
 صاحب کا سب سے مستند ترجمان تھا، جسے خود شاہ صاحب نے ”اعزاً خوان واجلدہ خلان“  
 لکھا ہے اور جسے شاہ عبدالعزیز نے شاہ صاحب کا ”اجل خلفاء“ لکھا ہے۔ پھر اس نے

”بیچ چیز دریں رسالہ بقید قلم نیاوردہ مگر کہ برآں جناب مکرر عرض شدہ  
و بشرف اصلاح تشریف یافتہ۔“ (ص ۴)  
”اس رسالے میں کوئی بات ایسی نہیں لکھی جو ایک سے زیادہ بار شاہ  
صاحب کو نہ دکھائی گئی ہو اور اس پر شاہ صاحب نے (ضرورت ہوئی  
تو) اصلاح نہ فرمادی ہو۔“

پھر خود شاہ صاحب نے اس کتاب کی تصدیق و تصویب فرمادی تھی۔ ایک اور  
خاص بات یہ ہے کہ اس کتاب کا بڑا حصہ شاہ صاحب کے جن ملفوظات وارشادات پر مشتمل  
ہے وہ نئے نہیں ہیں بلکہ ان کی تالیفات سے منقول و مقبس ہیں اور یہ تالیفات سب کی سب  
غیر مطبوعہ نہیں ہیں بلکہ ان میں سے تمہیمات الہیہ، فیوض الحرمین، ہمععات، انفاس العارفین  
مطبوعہ ہیں۔

کسی بھی شخصیت سے اعتنا اور اس کے افکار و آراء کے جائزے کے سلسلے میں صحیح  
اور دیانتدار طرز فکر و عمل یہ ہے کہ ہم یہ تحقیق کریں کہ اس کے افکار و آراء کیا ہیں! نہ یہ کہ کیا  
ہونے چاہئیں! اور تحقیق و تلاش کے بعد ان افکار و آراء ہی کو تسلیم کر کے یہ فیصلہ دیں کہ ان کو  
رد کریں یا قبول اور اس شخصیت کو پسند کریں یا ناپسند! یہ طرز فکر و عمل صحیح نہیں ہے کہ پہلے ہم یہ  
طے کریں کہ صحیح نظریہ یا مسلک یہ ہے۔ لہذا اس شخصیت کا بھی یہی نظریہ اور مسلک ہونا  
چاہیے اور اس کے منہ میں اپنے الفاظ کو ڈال دیں۔ اس کی تحریروں میں الحاقات کے ذریعے  
اپنے پسندیدہ نظریات شامل کر دیں یا مستقل رسائل و کتب تصنیف کر کے اس کی طرف ان کا  
انتساب کر کے اسے اپنے پسندیدہ مسلک سے مشرف کر دیں۔

شاہ صاحب کے ساتھ تو ابتداء ہی سے یہ معاملہ روارکھا گیا ہے، ان کی کئی کتابوں  
(تاویل الاحادیث، ہمععات، عقد الجید وغیرہ) میں حذف و الحاق کیا گیا۔ اس کے علاوہ ان  
کی طرف برسمیل غلط مستقل چھ کتابیں منسوب کر دی گئیں:

۱۔ قرۃ العینین فی ابطال شہادت الحسنین۔

۲۔ جدت العالیۃ فی مناقب المعادیۃ

۳۔ البلاغ المبین

۴۔ تحفۃ الموحدین

۵۔ اشارۃ مستمرہ

۶۔ قول سدید

پہلی دو کتابیں ایک شیعہ مولف، مرزا الطف علی نے منسوب کی ہیں مگر ان کا صرف نام ہے وجود نہیں ہے، باقی چار کتابیں بار بار طبع کی جاتی رہیں اور ان ہی کی کثرت اشاعت سے شاہ صاحب کے مسلک کے متعلق جو تاثر اب تک عام رہا ہے وہ ”القول الجلی فی ذکر آثار الولی“ کے مشتملات کے برعکس ہے۔

شاہ صاحب کے اخلاف کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا گیا۔ شاہ عبدالعزیز کی کتاب ”تحفۃ الثا عشریۃ“ کے طبع ہوتے ہی اس میں الحاقات کیے گئے جو شاہ صاحب کے مسلک سے متضاد تھے شاہ صاحب نے اپنے ایک مکتوب میں ان سے برأت ظاہر کی اور اسے الحاق قرار دیا۔

### حواشی

۱۔ ص ۱۹۴۔ البحر اللطیف فی ترجمہ عبدالضعیف، مطبع احمدی دہلی (۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء)

۲۔ ص ۹۱۲۔ البحر العلوم، مطبع صدیقی بھوپال سنہ (۱۲۹۶ھ/۱۸۸۰ء) ص ۳۳۰

اتحاد العلماء مطبع نظامی کان پور (۱۲۸۸ھ/۱۸۷۲ء)

۳۔ ص ۲۵۸۔ تذکرہ علماء ہند، رحمان علی نولٹنور لکھنؤ ۱۹۱۳ء (اشاعت دوم)

۴۔ ص ۲۹۔ شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، دہلی ۱۹۶۹ء

۵۔ کتاب کے تین ابواب میں سے پہلا باب شاد صاحب کے سوانح کے لیے مختص ہے وہی اس مکتوطے میں سے غائب ہے



بہمیں ورق کہ یہ گشت مدعا این جاست

۶۔ کتب خانہ انوریہ، مکیہ شریف، کاکوری ضلع لکھنؤ، اتر پردیش بھارت۔ ترجمہ ۶۷۹ صفحات پر مشتمل ہے آغاز میں جناب مولانا ابوالحسن زید فاروقی (سجادہ نشین درگاہ حضرت شاہ ابوالخیر، دہلی) کا ۵۵ صفحات کا مقدمہ اور ۲۱ صفحات کی عرض مترجم، مزید علیہ ہیں۔

۷۔ شاہ ابوالخیر اکادمی، شاہ ابوالخیر مارگ دہلی نمبر ۶ بھارت کتاب ۴۹۸ صفحات پر مشتمل ہے آخر میں ۵ صفحات کا اختتامیہ اور ۵۵ صفحات کا مقدمہ (از مولانا ابوالحسن زید) بھی شامل ہے۔ مخطوطہ کی کتاب ۲۵ شعبان ۱۲۲۹ھ مطابق ۱۲ اگست ۱۸۱۳ء کو ہوئی ہے ضخامت ۴۹۸ صفحات سطور فی صفحہ ۱۹، کتاب کی مخطوطہ کے مصورہ (فوٹو سٹینٹ) کے ذریعے طباعت اس پہلو سے توجیح ہے کہ مشتملات کتاب کے اعتبار و استناد میں کسی کو کلام کی گنجائش نہ رہے اور الحاق یا ترمیم و تحریف کا شائبہ نہ پیدا ہو مگر یہ شکل کتاب سے استفادے میں حارج ہے اور کاتب کے خوش قلم اور محتاط نہ ہونے کی وجہ سے بکثرت مقامات مایقراء نہیں ہیں اور پھر فہرست مضامین اور اشاریہ رجال و اماکن و کتب کی کمی بھی بہت محسوس ہوئی ہے۔ اور کتاب سے استفادہ محنت طلب ہو گیا ہے۔

۸۔ نصر پور، ٹھنڈہ کے قریب ایک شہر ہے اس دور میں یہ بندرگاہ بھی تھی فیروز تغلق نے ۷۷۵ھ میں اسے آباد کیا تھا۔

۹۔ صالحی، شاہ صاحب کی پہلی البیہ سے سب سے پہلی اولاد تھیں۔ ان کی ولادت ۱۱۴۳ھ میں ہوئی۔ ان کے بعد ۱۱۴۵ھ میں شاہ محمد اور ۱۱۴۸ھ میں لمتہ العزیز کی ولادت ہوئی۔ مقالہ مولانا نور الحسن راشد، فکر و نظر اسلام آباد جلد ۲۵ شمارہ ۱ (جولائی ستمبر ۱۹۸۷ء)

۱۰۔ ملفوظات شاہ عبدالعزیز، مطبع مجتہبائی میرٹھ ۱۳۱۳ھ

۱۱۔ اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد۔

۱۲۔ المقدمة السنیہ بھی شاہ صاحب کی گم شدہ یا گم کردہ کتابوں میں سے تھا۔ یقینی طور پر اس کا وجود صرف ادارہ تحقیقات عربی و فارسی ٹونک میں تھا۔ اس کے علاوہ دو ایک نجی ذخیروں میں اس کے مخطوطات کی صرف خبریں ہی تھیں۔ اب مولانا ابوالحسن زید فاروقی نے ۱۹۸۳ء میں یہ مخطوطہ حاصل کر کے شائع کر دیا ہے۔

ساتھ ہی شیخ مجدد کا اصل فارسی رسالہ بھی۔

۱۳۔ اجازہ بنام شیخ جارا اللہ، مقدمہ المسوی، طبع مکہ معظمہ۔

۱۴۔ اجازہ بنام شیخ محمد بن پیر محمد، الخیر الکثیر طبع ذابھیل۔

۱۵۔ فتاویٰ شاہ عبدالعزیز دہلوی ص ۱۲۸ مطبع مجبائی دہلی ۱۸۹۲ء

۱۶۔ مکتوب بنام شاہ ابوسعید رائے بریلوی، ماہنامہ الفرقان لکھنؤ، صفر ۱۳۸۵ھ

۱۷۔ تالیف ۱۸۷۴ء مطبع تین کرمان، حیدرآباد دکن۔

۱۸۔ گلشن ہند ص ۲۶، از مرزا لطف علی، طبع دکن ۱۹۰۶ء

۱۹۔ وصیت نامہ از سعادت یار خاں رنگین، مشمولہ وصایا اربعہ مرتب محمد ایوب قادری، شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد سندھ۔

۲۰۔ غالباً اس کے بعد شاہ صاحب ہر سال مستقلاً یہ محفل منعقد فرماتے رہے اور ان کے بعد شاہ عبدالعزیز نے اس تسلسل کو برقرار رکھا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

در تمام سال دو مجلس در خانہ فقیر منعقد

سال بھر میں دو مجلس خاکسار کے ہاں

می شوند (۱) مجلس ذکر وفات شریف

برپا ہوتی ہیں (۱) ذکر وفات شریف کی مجلس اور

(۲) مجلس ذکر شہادت حسنین۔

(۲) ذکر شہادت حسنین کی مجلس۔

(ص) فتاویٰ عزیزی مطبع مجبائی دہلی ۱۳۱۱ھ

۲۱۔ ربیع الاول کو حضور اکرم ﷺ کی نیاز شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ بھی دلایا کرتے تھے۔ فرماتے ہیں: یک سال در ایام وفات حضرت رسالت پناہ ﷺ چیزے فتوح نہ شد کہ نیاز آن حضرت طعمائے پختہ شود یعنی حضرت رسالت پناہ ﷺ کی وفات کی تاریخوں میں ایک سال کوئی چیز میسر نہ ہوئی کہ حضور ﷺ کی نیاز کے طور پر کچھ پکایا جائے۔ چنانچہ بھنے ہوئے چنے اور لڑکی نیاز دہی۔ رات کو میں تے خواب میں دیکھا کہ حضور کے سامنے انواع و اقسام کے کھانے پیش کئے جا رہے ہیں اور وہ بھنے ہوئے چنے اور گڑ بھی پیش کیا گیا۔ حضور اکرم ﷺ نے اس پر نہایت خوش دلی اور مسرت کا اظہار فرمایا اور اس میں سے کچھ تناول فرمایا اور باقی حاضرین مجلس میں تقسیم فرمادیا۔ (ص ۱۲۲ انشاس العارفین، طبع احمدی دہلی)۔

۲۲۔ یہ موئے مبارک، شاہ عبدالرحیم کو عطا ہوا تھا، شاہ ولی اللہ نے اس کا واقعہ یوں لکھا ہے کہ والد صاحب فرماتے تھے کہ ”ایک بار بیماری کے تسلسل سے میری حالت غیر ہو گئی اسی حالت میں خواب میں حضور اکرم ﷺ تشریف لائے اور مجھے آغوش میں لے لیا اور اپنی ریش مبارک پر ہاتھ پھیر کر دو موئے مبارک مجھے عطا فرمائے، بیدار ہونے پر میں نے وہ موئے مبارک تکیے کے نیچے پائے اور بیماری اور نقاہت بھی زائل ہو گئی۔“ شاہ عبدالرحیم نے ان میں سے ایک موئے مبارک شاہ ولی اللہ کو عطا کیا تھا اور ایک شاہ اہل اللہ کو، اہل اللہ سے بھلت لے گئے تھے اور وہاں اب تک شاہ محمد عاشق کے اخلاف کے پاس ہے، شاہ ولی اللہ کے ہاں اس موئے مبارک کی سالانہ زیارت ہوتی تھی، مولانا فضل رسول بدایونی (جو شاہ عبدالعزیز کے معاصر خورد ہیں) لکھتے ہیں کہ زیارت کے موقع پر موئے مبارک کا صندوقچہ شاہ اسمعیل اپنے سر پر اٹھا کر لاتے تھے (ص ۴۰ انفاس العارفين و ص ۶ الدر الثمین از شاہ ولی اللہ و ص ۱۰۶ العوارف الحمد یہ از مولانا فضل رسول بدایونی)

## شاہ ولی اللہ کے حالات شاہ عبدالعزیز کی زبانی

ملفوظات شاہ عبدالعزیز

القول الجلی کے بعد میرے خیال میں بڑی اہمیت شاہ عبدالعزیز کے ان اقوال و بیانات کی ہے جو ان کے ملفوظات میں پائے جاتے ہیں۔

شاہ عبدالعزیز کے آخری چند سالوں کے ملفوظات ۱۲۲۳ھ/۱۸۱۷ء میں ان کے ایک حاضر باش مسترشد نے مرتب کئے ہیں اور ایک ارادت کیش قاضی بشیر الدین میرٹھی نے ۱۳۱۳ھ میں پہلی بار مطبع مجتہائی میرٹھ سے شائع کئے تھے۔

افسوس ہے کہ ان مسترشد کے نام کا پتہ نہیں چلتا، ملفوظات کے ناشر کا بیان ہے کہ حاصل شدہ نسخے کی بوسیدگی اور کرم خوردگی کی وجہ سے جامع ملفوظات کا نام پڑھا نہیں جاسکا، ہمارے سامنے ملفوظات کا ایک مخطوط بھی ہے مگر اس کے آغاز میں بھی جامع نے مطبوعہ نسخے کی طرح خود کو فقیر تحریر کیا ہے۔ نام لکھا ہی نہیں۔ ہو سکتا ہے آخر میں جامع نے اپنا نام لکھا ہو اور وہ ناشر سے نہ پڑھا جاسکا ہو مگر مخطوطہ کے آخر میں جامع یا کاتب کا نام درج نہیں ہے، البتہ سن کتابت ۱۲۵۰ھ درج ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ شاہ صاحب کے وصال ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۳ء کے صرف گیارہ سال بعد مکتوبہ ہے، یہ نسخہ مولانا نذر علی درو کا نوروی (۸/۶۵۸) عزیز

آباد کراچی) کی ملک ہے، انھیں اپنے والد محمد حبیب علی علوی قادری سے ورثہ میں ملا ہے، علوی صاحب نے آغاز میں جامع کے متعلق اپنا قیاس یوں ظاہر کیا ہے۔ ”عالمًا جمع فرمودہ شاہ ادادانی صاحب کہ یکے از خلفائے جید آں جناب (شاہ صاحب) بودند بسیار مقبول پیر خود۔“ افسوس ہے کہ ہم شاہ ادادانی صاحب کی شخصیت سے ناواقف ہیں، ممکن ہے کہ ان کے حالات میں ان کی اس تالیف کا سراغ مل جائے۔ ہمارے فاضل دوست پروفیسر محمد ایوب قادری کا قیاس یہ ہے کہ جامع کا تعلق میرٹھ سے تھا، کیونکہ آغاز ہی میں وہ لکھتے ہیں کہ جب میں شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو انھوں نے اپنے جن دوستوں کے پیغام سلام عرض خدمت کئے وہ میرٹھ کے رہنے والے تھے۔ مولوی عسکری صاحب غلام انبیاء خاں صاحب شیخ لطف علی شیخ مبارک اللہ وغیرہ۔

جامع کا نام علم میں نہ ہونے سے اگرچہ شاہ صاحب کی طرف ملفوظات کی نسبت مشتبہ اور محل نظر ہو جاتی ہے، مگر ہماری ذاتی رائے یہ ہے کہ یہ نسبت صحیح ہے، اولاً تو مطبوعہ نسخے کے علاوہ جو مخطوطہ ہمارے پیش نظر ہے وہ ترتیب ملفوظات اور شاہ صاحب سے بہت قریب العہد ہے، پھر ملفوظات کے اکثر مشتملات کی دوسرے ماخذ (خصوصاً شاہ ولی اللہ کی تحریروں) سے بھی تصویب و تصدیق ہوتی ہے۔ جیسا کہ ہم نے حواشی میں حسب ضرورت اس کی صراحت کر دی ہے۔

مولف کی دیانت کا ثبوت یہ ہے کہ جہاں بھی وہ کسی ملفوظ کو بروقت قلم بند نہیں کر سکے ہیں، انھوں نے اس کا اظہار کر دیا ہے، مثلاً ایک مقام پر نصف ملفوظ نقل کر کے بقیہ نصف نقل کرنے سے پہلے لکھتے ہیں:

”ازیں جائیں قصہ بعد سے ماہ بموجب یاد خود کہ باعتماد آں سفیدی گزراشتہ بودم نوشتہ ام“

(ص ۱۰۸)

”یہاں سے اس قصے کو تین مہینے کے بعد لکھتا ہوں، اپنے حافظے کے بھروسے پر میں نے یہاں

جگہ چھوڑ دی تھی۔“

یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ ہر ملفوظ کو بروقت لکھ لیا کرتے تھے۔ ایک مقام پر شاہ صاحب کی ایک تاریخی تحقیق کا صرف خلاصہ نقل کیا ہے کہ:

”اس وقت بسبب ضیق فرصت بقلم نمی آید مگر یاد است انشاء اللہ العزیز بشرط فرصت و یاد خواہم نگاشت۔“ (ص ۹۷)

”اس وقت فرصت نہ ہونے کی وجہ سے (پوری گفتگو) نہیں لکھ رہا ہوں، مگر یاد ہے اللہ نے چاہا تو بشرط فرصت و یاد لکھوں گا۔“

اس سے بھی اسی قیاس کی تائید ہوتی ہے کہ وہ دن کے دن لکھ لینے کا اہتمام کر لیتے تھے۔

یہ ضرور ہے کہ ملفوظات کے انداز بیان اور زبان سے ان کے اہل علم ہونے کا اظہار نہیں ہوتا۔ انداز بیان علمی و ادبی بھی ہے، زبان (فارسی) مقامی اور غیر معیاری تو ہے ہی مگر بالعموم اغلاط سے بھی خالی نہیں ہے۔

علم کی کمی ہی کی وجہ سے زیادہ تر اشعار، لطیفے اور قصص و حکایات نقل کئے ہیں۔ علمی موضوعات پر جن تقاریر کو نگاہیں کتاب میں ڈھونڈتی ہیں وہ نہیں ملتیں حال آنکہ شاہ صاحب کی بزم میں زیادہ تر عملی و فنی موضوعات معرض کلام میں آتے ہوں گے اور شاہ صاحب ان پر داد تحقیق دیتے ہوں گے، جامع کو اگر علمی ذوق ہوتا اور ان تقریروں کو سمجھنے کی صلاحیت ہوتی تو ان کو محفوظ کر لیتے اور آج یہ سرمایہ ہمارے لیے بہت منفعت بخش ہوتا۔

بعض ملفوظات کی نسبت کی صحت تسلیم کرنے کی تو ہماری عقیدت کسی طرح اجازت نہیں دیتی، مثلاً صفحہ ۷۲ کا مکالمہ اور صفحہ ۶۶ کا شعر اور صفحہ ۵۵ کی حکایت شاہ صاحب کے وقار و ثقاہت اور ان کی بزم کے تقدس و شائستگی سے اس قسم کے فحش لطیفوں اور عامیانہ اشعار کا کوئی میل نہیں ملتا۔

بہر حال شاہ ولی اللہ کے احوال و سوانح کے سلسلے میں کتاب ایک اہم ماخذ ہے۔  
کتاب میں جہاں جہاں شاہ ولی اللہ کا ذکر آیا ہے ہم نے انہیں ایک ترتیب سے جمع کر لیا

ہے۔

## شاہ ولی اللہ کی تاریخ ولادت و وفات

”تاریخ تولد شاہ ولی اللہ چہارم شوال و چہار شنبہ ۱۱۱۳ھ بود تاریخ وفات ”او بود امام اعظم  
دیں“ دیگر ”ہائے دل روزگار رفت“ بیست نہم محرم وقت ظہر“ (ص ۴۰)۔

”شاہ صاحب کی تاریخ ولادت چہار شنبہ ۳ شوال ۱۱۱۳ھ ہے اور تاریخ وفات ”او بود امام اعظم  
دیں“ اور ”ہائے دل روزگار رفت“ سے نکلتی ہے۔ (۱۱۷۶ھ) ۲۹ محرم وقت ظہر“۔

## شاہ صاحب کا حافظہ

”مثل والد ماجد حافظہ ندیدہ ام“ (ص ۱۱)

”والد ماجد کی طرح میں نے کسی کا حافظہ نہیں دیکھا“۔

## شاہ صاحب راجپوتانے میں

ہنگام سفر مکہ معظمہ حضرت والد ماجد در ملک راجپوتانہ ثبوت پیوست کہ یک کھٹل

مثل کچھوہ خرد بود از جہت زہر رنگ سبز بنظری آمد ہر کہ رانش می زد می مرد (ص ۷۳)

”مکہ معظمہ کے سفر کے دوران والد ماجد کو راجپوتانے میں اس بات کی تحقیق ہوئی

کہ ایک کھٹل، چھوٹے کچھوے کی طرح ہوتا ہے، زہریلا ہونے کی وجہ سے وہ سبز نظر آتا تھا۔

جس کسی کو ڈنک مار دیتا تھا وہ مر جاتا تھا“۔

## سیدنا حسن کا قلم

”چوں والد ماجد بمکہ معظمہ رسید حضرت امام حسن راجپوتانہ دید کہ چادرے بر سر

انداختند و قلم عنایت کردند و فرمود این قلم جد من ست بعد از ان فرمود باش کہ امام حسین بم بیاید

چوں آمدند قلم را تراشیدہ بدست والد ماجد دادند در آن وقت حال نسبت و علم تقریر دیگر گوں شد

چنانچہ مستقیماً سابق ہرگز احساس نسبت سابق نمی کردند۔“

”جب والد ماجد مکہ معظمہ پہنچے تو حضرت امام حسن کو خواب میں دیکھا، حضرت نے (شاہ صاحب کے) سر پر ایک چادر ڈالی اور ایک قلم عنایت کیا اور فرمایا یہ میرے نانا (ﷺ) کا ہے۔ اس کے بعد فرمایا ٹھہریے، امام حسین بھی تشریف لارہے ہیں، جب وہ تشریف لائے تو انھوں نے قلم کو تراش کر والد ماجد کے ہاتھ میں دیا۔ اسی وقت سے نسبت باطن، علم اور تقریر کا رنگ اتنا بدل گیا کہ جن لوگوں نے (شاہ صاحب سے) پہلے استفادہ کیا تھا وہ سابقہ نسبت کا احساس تک نہیں کرتے تھے۔“

جو پڑھا لکھا تھا نیاز نے

”پدر من وقت رخصت از مدینہ از استاد خود عرض کرد او خوش شد کہ ہر چہ خواندہ بودم فراموش کردم الا علم دین یعنی حدیث۔“

”میرے والد نے مدینہ منورہ سے رخصت کے وقت اپنے استاد سے عرض کیا جس سے وہ خوش ہوئے کہ میں نے علم دین یعنی حدیث کے علاوہ جو کچھ پڑھا تھا اسے بھلا

سند حدیث

”چہارمہ ماہ در حرمین بود و سند کردہ بعض جا استاد می فرمود معنی این حدیث تو بفرما و در سند اجازت نوشتہ سند از من کردا اگر چہ بہ از من ست۔“ ص ۹۳

”(والد ماجد) چودہ ماہ حرمین میں رہے اور سند حاصل کی بعض مقام پر استاد فرماتے تھے اس حدیث کے معنی تم بیان کرو۔ اور سند میں لکھا کہ انھوں نے مجھ سے سند حاصل کی ہے، اگر چہ یہ مجھ سے بہتر ہیں۔“

تقسیم کار

”حضرت والد ماجد از ہر یک فن شخصے تیار کردہ بودند طالب ہر فن باوے می



سپردند و خود مشغول معارف گوئی و نویسی می بودند و حدیث می خوانیدند بعد مراقبہ ہر چہ بکشف می رسیدی نگاشتند مریض ہم کم می شدند عمر شریف شصت و یک سال چہار ماہ شد۔“

”حضرت والد ماجد نے ہر ایک فن کے لیے ایک شخص کو تیار کر دیا تھا اور ہر فن کے طالب علم کو اس کے (فاضل کے) سپرد کر دیتے تھے۔ اور حقائق و معارف بیان اور تحریر کرنے میں مشغول رہتے تھے اور حدیث کا مطالعہ کرتے رہتے تھے۔ مراقبہ کے بعد جو کچھ کشف ہوتا تھا اس کو لکھ لیتے تھے، بیمار بھی کم ہوتے تھے۔ آپ کی عمر اکٹھ سال چار ماہ ہوئی۔“ (ص ۴۰)

### ضبط اوقات

”مثل والد ماجد شخصے کم بنظر آمد سوائے علوم و کمالات دیگر در ضبط اوقات، چنانچہ بعد اشراق کہ می نشست تا دو پہر زانو بدل نمی کرد و خارش نمی نمود و آب دہن نمی انداخت۔“

(ص ۴۳)

”دیگر علوم و کمالات کے علاوہ ضبط اوقات میں بھی والد ماجد کی طرح کم ہی کوئی آدمی نظر آیا۔ اشراق کے بعد جو بیٹھتے تھے تو پہلو بھی نہ بدلتے تھے۔ کھجاتے تھے، نہ تھوکتے تھے۔“

### ”مسیحا“

”بندہ راعورات ”مسیحا“ شامی گفتند و چشم آں کہ در شب بست و پنجم رمضان وقت سحر تولد شدہ بودم چوں والدین را کودک بسیار مردہ بودند مگر برائے من آرزو کمال بود در اں ہنگام بزرگان بسیار و اولیاء بسیار رازیاں والد ماجد مثل شاہ محمد عاشق و مولوی نور محمد وغیرہ معتکف مسجد ہدای بودند پس مارا غسل دادہ در محراب انداختند گویا نذر خدا کردند پس بزرگان مارا قبول کردہ از طرف خدا انعام کردند۔“ (ص ۱۰۹)

”بندہ (شاہ عبدالعزیز) کو عورتیں ”مسیحا“ کہتی تھیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں

۲۵ رمضان کی شب میں بحر کے وقت پیدا ہوا ہوں، چوں کہ والدین کے بچے بچتے نہیں تھے اس لیے میری بڑی آرزو تھی۔ میری ولادت کے وقت بہت سے بزرگ اور خدارسپہ حضرت مثلاً شاہ محمد عاشق اور مولوی نور محمد وغیرہ اسی مسجد میں معتکف تھے (ولادت کے بعد) مجھے غسل دے کر مسجد کے محراب میں ڈال دیا گیا ان بزرگوں نے مجھے قبول کر کے خدا کی طرف سے انعام (میں واپس) عطا کیا۔

### شفقت پدری

”والد ماجد بے بندہ طعام نمی خوردند“

”والد ماجد میرے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے۔“

### شاہ صاحب کی تقریر

”تقریر والد ماجد در درس وغیرہ و تقریر اکثر مرقص می شد“

”درس وغیرہ میں والد ماجد کی تقریر و تقریر اکثر رقص آور (لذت بخش و لطف انگیز) ہوتی تھی۔“

### نسبت چشتیت

”در ابتداء والد ماجد ہم ہموں غالب بود بعد از ان انقلاب شد“ (ص ۸۲)

”ابتداء میں (جد امجد کی طرح) والد ماجد پر بھی نسبت چشتیت کا غلبہ تھا، بعد میں

انقلاب ہوا۔“

### شاہ صاحب اور شیعیت

”شخصی از والد ماجد مسئلہ تکفیر شیعہ پر سید آں حضرت اختلاف حنفیہ دریں باب کہ

است بیان کردند، چوں مکرر پر سید ہماں شنید شنیدم کہ می گفت کہ این شیعہ است۔“

”ایک شخص (متعصب سنی) نے والد ماجد سے شیعہ کے کفر متعلق سوال کیا، آپ

نے (اس کی مرضی کے خلاف) اس باب میں احناف کا اختلاف بیان فرمایا (یعنی کفر پر

اتفاق نہیں ہے) اس نے دوبارہ دریافت کیا اور یہی جواب پایا تو میں نے سنا ہے کہ کہنے لگا کہ یہ (خود) شیعہ ہیں۔“

### شیعوں سے قرابت

”بعضے از اقرباء<sup>۱</sup> قریبہ ما شیعہ غالی اند“۔ ص ۳۷

”ہمارے بعض قریبی اعزہ غالی شیعہ ہیں۔“

### کرامت

”در وقت طفلی بیمار بودم حکیمے تداوی کرد صحتیاب شدم والد ماجد آں را حکم فرمودند کہ مارا چوں خوش ساختی بگو در حق تو دعائے کنم ہر چند خلاف وضع شریف بود لیکن فرمودند عرض کرد کہ نو کر شوم در ہموں ہنگام بلکہ شب صدر و پیہ راع سواری تعیناتی نو کر شد چوں آمدہ عرض کرد آں حضرت از زبان مبارک فرمود: ہمت شما قاصر بود کہ برو نیا آں ہم حقیر اکتفا کردید“ (ص ۴۳-۴۴)

”میں لڑکپن میں بیمار تھا ایک حکیم صاحب نے علاج کیا میں صحت مند ہو گیا، والد ماجد نے اپنی وضع کے خلاف ان سے کہا، بتائیے میں آپ کے حق میں (کیا) دعا کروں؟ کہا: میں نو کر ہو جاؤں، اسی زمانے میں بلکہ اسی رات سو رو پیہ تنخواہ (معہ سواری) پر نو کر ہو گئے، جب حکیم صاحب نے آ کر بتایا تو حضرت نے زبان مبارک سے فرمایا آپ کا حوصلہ ہی پست تھا کہ دنیا اور وہ بھی اس کے حقیر حصے پر اکتفا کی۔“

### طب

”حکمت ہم در خاندان کا معمول بود چنانچہ جد بزرگ وارو عم فقیر دوامی کردند والد

ماجد و بندہ موقوف ساختہ۔“ (ص ۲۲)

”ہمارے خاندان میں طب کا بھی مشغلہ تھا چنانچہ جد بزرگ وار (شاہ عبدالرحیم)

اور عم فقیر<sup>۲</sup> (شاہ اہل اللہ) مطب کرتے تھے، والد ماجد اور میں نے یہ سلسلہ موقوف کیا ہے۔“

”ہر چند کہ والد ماجد مابنا بردو او طبابت بحسب مصلحت دیگر منع فرمودہ بودند لیکن خوب چیز است گویا بان بخشی“ (ص ۴۳)

”اگر چہ والد ماجد نے کسی مصلحت سے علاج اور مطب کرنے سے روک دیا تھا لیکن (یعط) ہے خوب چیز گویا (بعض حالات میں تو) جاں بخشی ہے۔

### شاہ صاحب کی غزل<sup>۹</sup>

مدار بخش نامی ایک قوال کی درخواست پر شاہ صاحب کی ایک غزل شہنائیت فرمائی۔

من ندانم بادہ ام یا بادہ را پیمانہ ام  
عاشق شوریدہ ام یا عشق با جانانہ ام  
بتلایے حیرتم جاں گھمیت یا جانِ جاں  
اصطلاح شوق بسیارست و من دیوانہ ام  
میل ہر عنصر بود سوء مقرر اصلیش  
جذبہ اصل است سرشورش ستانہ ام  
شوق موسیٰ در ظہور آورد نارِ طور را  
در نہاد شمع آتش می زند پروانہ ام  
اے امین! بر مستقیم نام تجدد تہمت است  
در ازل پیش از زماں تعمیر شد میخانہ ام

ایک اور غزل:

گر بگلشن بگذری گل بر رخت مفتوں شود  
در نمائی قامت خود سرد را موزوں شود

کارِ با معنی ست دانا را نہ با نام و نشان  
 جذبہٴ لیلیٰ ندارد بید اگر مجنوں نہ شود!  
 مردِ مفلس را جہاں یکسر محلِ آفت ست  
 شیشہ گر خالیست گر بادش رسد واژوں شود

ایک رباعی:

در صحبتِ اہلِ دل رسیدیم بے  
 بس درویزہ کناں زمانے یک نفسے  
 از چشمہٴ آبِ زندگانی قدحے  
 و ز آتشِ وادیِ مقدس قیسے

ایک قطعہ:

”در تعریف تشریف بردن والد ماجد خود بہ گفتن صاحب زادہ در حق شیخ آدم بنوری  
 و ناراضی شان“

”اپنے والد ماجد (شاہ ولی اللہ) کے کہیں تشریف لے جانے اور ایک لڑکے کے  
 شیخ آدم بنوری کی شان میں گستاخی کرنے اور والد ماجد کی ناراضی (کا ذکر کر کے ان کا یہ قطعہ  
 پڑھا)“

شخصیے بخوردہ گیری ما عاجزاں فنا  
 زان زو کہ در طریقہٴ مخدوم آدمیم  
 گفتیم کہ حرفِ راست بگویم ز ما رنج  
 تو آدمی نبودی و ما آدمی شدیم  
 وصیت نامہ

”ارشاد شد کہ وصیت نامہ والد ماجد نقل کردہ بگیرند بسیار نافع است“ (ص ۷۵)

”فرمایا: والد ماجد کا رسالہ وصیت نامہ نقل کر کے رکھیں بہت مفید ہے۔“

### مسئلہ فقہی

”دریں مقدمہ اختیار حضرت والا خوب است یعنی اگر یکے از مجتہدان بآں عمل کر وہ باشد ترجیح حدیث است عمل کند والا ترک دید چرا کہ خالی از سبب سکوت ہمہ ہانست و ایں چنین شاید چہار حدیث خواہند بود۔“ (ص ۹۱)

”اس (تقلید کے) مسئلہ میں والد ماجد کا مسلک خوب ہے، اگر ائمہ مجتہدین میں سے کسی ایک نے بھی اس حدیث پر عمل کیا ہو تو ترجیح حدیث کو دی جائے گی ورنہ حدیث کے بجائے قول مجتہد پر عمل کیا جائے گا اس لیے کہ تمام ائمہ مجتہدین کا سکوت (اس حدیث پر عدم عمل) بے سبب نہیں ہو سکتا اور اس قسم کی شاید تعداد میں چار ہوں گی (جن پر کسی ایک امام کا بھی عمل نہ ہو)۔“

### ایک فتویٰ

”آں حضرت فرمود کہ از ابی داؤد حدیث نقل می کنند کہ آں حضرت چند خون آلود حیضی زنی را برائے صفائی از نمک شستن فرمودہ بود چون نمک ہم چیز محترم است و طعام ہم محترم پس درست شد کہ از آرد و غیرہ اگر چہ آرد و گندم باشد درست باید شست لیکن چیز ہائے دیگر سوائے طعام کہ دریں ماوہ بکار می برند بہتر است والا آرد ہم جائز باشد۔“ (ص ۹۰)

”(اس سوال پر کہ کھانے کے بعد آنے سے ہاتھ دھونے کا کیا حکم ہے؟) آپ نے فرمایا: ابو داؤد سے منقول ہے کہ آں حضرت (علیہ السلام) نے ایک عورت کے خون حیض سے آلودہ کپڑوں کو نمک سے دھو کر صاف کرنے کا حکم دیا تھا اور چون کہ نمک بھی محترم ہے اور کھانا بھی اس لیے آنے وغیرہ سے چاہے وہ گیہوں کا آٹا ہی کیوں نہ ہو ہاتھ دھونا درست ہے، لیکن کھانے کی چیزوں کے علاوہ دوسری چیزوں سے جو اس کام میں لائی بھی جاتی ہیں

ہاتھ دھونا بہتر ہے۔

### ایک جزیرہ

”شخصے از قبلہ گاہی عرض می کرد کہ در جزیرہ رفتہ بودم انجا سوائے نارنجیل و ماہی از قسم طعام نمی شود مگر این کہ از ملک دیگر بر بند چنان چہ آں کس را ہشتاد و دو طعام از ترکیب ہمیں دو پزیدن می دانم“ (ص ۱۱۸)

”ایک شخص نے حضرت قبلہ سے عرض کیا کہ میں ایک جزیرہ میں گیا تھا، وہاں کھوپرے اور مچھلی کے علاوہ کھانے کی اور چیز دستیاب نہیں ہوتی الا یہ کہ کسی دوسرے مقام سے لے آئیں، چنانچہ اس شخص کو بیاسی قسم کے کھانے انہی دو چیزوں سے پکانا آتے تھے۔“

### چین میں بلی

”در ملک چین گر بہ کم ترمی باشد و موش ہا بسیار جری شخصے از والد ماجد نقل می کرد کہ ہم راہ من گر بہ بود تا جائے کہ در چین می روند قسم دیدم کہ گلولہ بازاں در وقت طعام راجہ برائے رفع موشاں می استادندی گفتم جانورے در ہند بہ پانصد روپیہ می آید از آواز موشاں می رمند چنانچہ فرو ختم از آواز موشاں بالکل موشاں رمیدند۔“ (ص ۱۷)

”چین میں بلی بہت کم ہوتی ہے اور چوہے بڑے دلیر ہوتے ہیں۔ ایک شخص نے والد سے بیان کیا کہ میرے ساتھ ایک بلی تھی اور چین میں جہاں تک جاتے ہیں (جاسکتے ہیں) میں گیا، میں نے دیکھا راجہ کے کھانے کے وقت گلولہ باز چوہوں کو بھگانے کے لیے کھڑے رہتے ہیں۔ میں نے کہا ہندوستان میں ایک جانور پانچ سو روپیہ میں آتا ہے، اس کی آواز سے چوہے بھاگ جاتے ہیں، چنانچہ میں نے بلی وہاں بیچ دی اور اس کی آواز سے چوہے بھاگ گئے۔“

## عذابِ قبر

قصہ عجیب است پیش حضرت والد ماجد بقسم غلیظی گفت یعنی کشمیریے بطرف ملک دکن رفته پیش راجہ در فرقہ باور چیاں نو کر شد بعد مردش موافق دستور آں جا منجملہ جماعہ خدام خاص ہیں کس را ہم در سردا بہ نہادند، چہ می بیند وقت شب دو فرشتہ مہیب چنانچہ در حدیث آمدہ است آمدند از خوف آتہا بگوشہ رفتہ معلوم نیست ماراچہ سوال و جواب شد آخرش اورای زدند اعضائش ریزہ ریزہ شدند ماہم بے ہوش شدیم و بعضے مردند من کلمہ می خواندم و فرشتہا جانب من دیدند و مارا بعد از گفتن کہ چہ آمدہ بودی در کشمیر رسانیدند پارچہ از اعضائش کہ بہ بدن من ریزہ شدہ رسیدہ بود سوزش آں نمی رفت ہر چند معالجہ کردم بہ نمی شد در دہلی آمد پیش بزرگان و اطباء رجوع کردم بیچ فائدہ نہ شد مگر عم شہاب ابو الرضا محمد درود فرمودند تا چنیکہ بردست تہ زودہ بر آں می مالم تسکین می نماید سخت تنگ ہستم۔“ (ص ۶۸، ۶۹)

”حضرت والد کے سامنے سخت قسم کھا کر ایک عجیب و غریب قصہ بیان کیا ایک کشمیری ملک دکن کی طرف گیا اور راجہ کے یہاں باورچیوں میں ملازم ہو گیا۔ اس کے مرنے کے بعد وہاں کے دستور کے مطابق دوسرے خاص خادموں کی نعش کے ساتھ سرد خانے میں رکھا۔ کیا دیکھا کہ رات کے وقت دو فرشتے ڈراؤنی صورت جیسا کہ حدیث میں آیا ہے آئے۔ میں ان کے خوف سے ایک کونے میں چلا گیا۔ مجھے معلوم نہیں کیا سوال و جواب ہوئے۔ آخر کار اس کو مارتے تھے اس کے اعضاء ریزہ ریزہ ہو گئے۔ ہم بے ہوش ہو گئے اور بعض مر گئے۔ میں کلمہ پڑھتا تھا اور فرشتے میری جانب دیکھتے اور مجھ سے دریافت کرنے کے بعد کہ یہاں کیوں آیا کشمیر پہنچا دیا، اس کے اعضاء جو ریزہ ریزہ ہو گئے تھے، اس میں سے ایک ٹکڑا میرے جسم کو لگ گیا اس کی سوزش نہیں جاتی، بہت کچھ علاج و معالجہ کیا لیکن فائدہ نہ ہوا، دہلی آیا ہوں بزرگوں اور طبیبوں کی طرف رجوع کیا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ آپ کے چچا ابو الرضا محمد نے فرمایا کہ اس طرح درود شریف پڑھ کر ہاتھ پر دم کرنا ہوں اور اس جگہ



ملتا ہوں اس سے تسکین ہوتی ہے۔ بہت زیادہ تنگ ہوں۔“

## حواشی

۱۔ مگر معلوم ہوتا ہے بعد میں فرصت نہیں ملی یا یاد نہیں رہا کیونکہ بعد میں بھی یہ اصل ملفوظ نہیں ملتا۔

۲۔ الجزء اللطیف ص ۱۹۳ مطبع احمدی دہلی

۳۔ انسان العین فی مشائخ الحرمین و انفاس العارفين (ص ۱۹۲۔ ”ایں فقیر برائے وداع نزدیک شیخ ابوطاہر

رفت ایں بیت برخواند

نیت کل طریق کنت اعرف

الا طریقا یودینی الا ربعم

مخرد شنیدن آں بکا بر شیخ غالب آمد و بغایت متاثر شد۔ فیوض الحرمین (مطبع احمدی ص ۲۱) میں یہ واقعہ اس طرح ہے: ”میں ۱۰ صفر ۱۱۳۳ھ کی رات میں خواب میں دیکھا کہ حسن و حسین رضی اللہ عنہما میرے گھر تشریف لائے ہیں اور حضرت حسن کے ہاتھ میں قلم ہے جس کی نوک ٹوٹ گئی ہے آپ نے مجھے بخشے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ اور فرمایا یہ ہمارے نانا رسول اللہ ﷺ کا قلم ہے۔ پھر فرمایا (ٹھہرو) تاکہ حسین اُسے ٹھیک کر دیں۔ یہ قلم ویسا نہیں جیسا حسین نے اُسے بنایا تھا۔ پھر حسین نے لے لیا اور مجھے عنایت فرمادیا جس سے میں خوش ہوا پھر ایک چادر جس پر ایک سفید دھاری تھی اور ایک سبز، ان دونوں کے سامنے لا کر رکھی گئی، حضرت حسین نے وہ چادر اٹھائی اور فرمایا یہ میرے نانا کی چادر ہے (ﷺ) اور مجھے اڑھا دی، میں نے اُسے اپنے سر پر رکھ لیا اور اللہ تعالیٰ کا شکر کیا پھر میں خواب سے بیدار ہو گیا۔“

۴۔ سید ظہیر الدین احمد (تأویل الاحادیث ص ۸۷) کے بیان سے مطابق شاہ صاحب ۸ ربيع الثانی

۱۱۳۳ھ کو روانہ ہوئے تھے اور ۹ رجب ۱۱۳۵ھ کو واپس ہوئے (الجزء اللطیف ص ۹۳) اس طرح کل ۲۸ ماہ

سفر میں گزارے۔ ان میں سے ۷، ۷ ماہ آمد و رفت میں گزارے اور ۴ ماہ حرمین میں حاضری رہی۔

۵۔ مسجد کا عوامی تلفظ ”مسیت“ ہے، اسی کی نسبت سے ”مسجعا“ ہے یعنی مسجد والا، جسے مسجد کی نذر کیا گیا۔

۶ مثلاً میر قمر الدین منت جو شاہ صاحب کے قریبی عزیز اور شاگرد بھی تھے شاہ صاحب نے عجلہ نافعہ انہی کے لیے لکھا تھا۔

۷ ”در طب حدس ایشاں بغایت سلیم و رسا بود“ بوارق الولاہیت از شاہ ولی اللہ ص ۸۳

۸ شاہ اہل اللہ ص ۱۱۸ھ

۹ حیات ولی (ص ۵۰۶) میں اس غزل کے حسب ذیل دو اشعار کا اضافہ ہے۔

باجمال : آمش حسن دگر درکار شد

چشم او را سرمہ ام یا زلف او را شانہ ام

غافل از خود ماند از صورت چو پر شد آئینہ

تا ترا بشنا ختم جانان ز خود بیگانہ ام

۔۔۔ مگر ملفوظات کا شعر نمبر ۴ حیات ولی میں نہیں ہے۔

۱۰ بید مجنوں پر شاہ عبدالعزیز نے بھی طبع آزمائی تھی۔

ز نازک طبع غیر از خود نمائی ہا نمی آید

درخت بید را دیدم کہ دائم بے ثمر باشد

ص ۴۳ مگر حیات ولی میں اس شعر کو شاہ ولی اللہ صاحب کی طرف منسوب کیا ہے ص ۵۱۱

۱۱ وصیت نامہ القالۃ الوضیۃ فی النصیحة والوصیہ کے نام سے فارسی میں ایک مختصر رسالہ ہے جو

ہوگلی (بکال) سے پہلی بار شائع ہوا تھا۔ ہمارے فاضل دوست پروفیسر محمد ایوب قادری ایم اے نے یہ

وصیت نامہ مترجم چند دوسرے وصیت ناموں کے ساتھ دسایا ہے اربعہ کے نام سے مرتب کیا ہے اور شاہ

ولی اللہ اکیڈمی کی طرف سے شائع ہوا۔

## شاہ ولی اللہ کے فارسی اشعار

فراغت یافتم از حج و عمرہ  
 چو احرام سر کوئے تو بستم  
 چو دیدم روئے زیبائے تو جاناں  
 ز تشویش وجود خویش رستم  
 یا ساقی بدہ جام شرابے  
 کہ مخمور صبحی لستم

--- مکتوبات مع مناقب امام بخاری ص ۱۳ ---

محبت نام جوش طبع و میل نفس گر باشد  
 سر اہل محبت در دو عالم گاؤ خر باشد  
 ز نازک طبع غیر از خود نمائی بانمی آید  
 درخت بید را دیدم کہ دائم بے ثمر باشد  
 بوسعت مشرباں رنگ تعلق در نمی گیرد  
 اگر نقشے زنی بر روے دریا بے اثر باشد

۱۔ یہ شعر ہمععات میں بھی ہے، ترجمہ اردو طبع لاہور ص ۱۸۸

صفائے طبع می خواہی ز صحبت دامن اندر کش  
 کہ آب دور از مردم ہمیشہ بے کدر باشد  
 ----- مکتوبات ص ۱۳

مزاج صاف طبعان را بغزبت در نمی سازد  
 مگر گردد آب صاف چون یکجا وطن گیرد  
 ----- ص ۱۳

صفا با حبیث باطن نیز گاہے جمع می گردد  
 بروبالوعہ را چوں درد بنشیند تماشا کن  
 ہرزہ گردی مانع نور دل ست اے ہوش مند  
 سل تا مشقت یک جا باطش صافی نشد  
 دوائے درد من! بر جمع اضداد تو می لازم  
 نمک ریو دل مجروح من ہستی و مرہم ہم  
 جہان و جاں فدائے وضع شوخ شہزاد شوبت  
 قیامت می نمائی و دم عیسی و مریم ہم  
 توئی اول توئی آخر توئی ظاہر توئی باطن  
 توئی مقصود اہل دل توئی مشتاق ہم ہم  
 ز یک منبع دریں جا مختلف فوارہ می جوشد  
 مزاج حرص قاروں زہد ابراہیم ادہم ہم  
 بخارے از زمیں خیزد بیاد جو در آمیزد  
 گہے باران ریزان ست گاہے برف و شبنم ہم  
 کدای طرف نیرنگی، دریں کاشانہ سر دادی  
 کہ عالم پائے کوب از دست عشقت گشت و آدم ہم  
 ----- مکتوبات ص ۱۳

## رباعی

تا ظن نکئی مدرک خواہندہ دل ست  
تا تو سن تا زندہ و با زندہ دل ست  
گویم بتو رحے گر فہمی آں را  
ایں گوہر تابندہ بخود زندہ دل ست  
----- مکتوبات ص ۱۳

ناگزیر تو منم اے دل پذیرا!  
زو مگرداں بعد ازیں از ناگزیر  
من ترا مشفق ترم از صد پدر  
در من آویز و مرا محکم بگیر  
غیر من گر با تو بآست بود  
آں وبال ست و عذاب ست و سیر  
جان من در ہجر یار خود بسوخت  
من عذاب الہجر اجرئی یا مجیر!  
بے قرارم روز و شب بے زوے یار  
باز ہما زوے یارم یا قدیر!

اندرونم بے جمالش تار شد  
کے شود یارب بوصلش مستنیر  
اے برادر بعد از ہا ہشیار باش  
فرق می کن درمیان شیر و شیر  
----- مکتوبات ص ۱۳

## غزل

نختیں بادہ کاندہ جام کردند  
 مزاحش عکس آں گلغام کردند  
 ز دریائے قدم موجے برآمد  
 مرا در بحر امکاں نام کردند  
 ہویدا شد در امکاں صورت حق  
 بآں صورت جہاں را رام کردند :  
 ہمیں بایست قصیلے ازیں زو  
 مکارم را بہا تمام کردند  
 شراب وحدت<sup>۴</sup> از خم نمائے غیب  
 مرا صبح ازل در کام کردند  
 چو غلطیدم ز مستیہا بہر سو  
 حریفان مستی ازمن وام کردند  
 حقیقت را کہ مستور از نظر بود  
 بہا مشہور خاص و عام کردند  
 پس آں کہ موج دریا باز گردید  
 باتمام فنا اکرام کردند  
 امیں! رمزے دقیقے با تو گویم  
 بخود آغاز و نیز انجام کردند  
 ----- مکتوبات ص ۱۶ ص ۱۷

دے دارم ز خود خالی حبابش می توای گفتن  
 درو کھیچے جوشِ شرابش می توای گفتن  
 وجود بے نمود معنی ما دیدنی دارد  
 دریں نیرنگها بوئے گلابش می توای گفتن  
 سویدای دل مایابی اندر پیچ و تاب آد  
 نقوشِ عالمِ اتم اللابش می توای گفتن  
 فرو پاشید از ہم کثرتِ موبوم چون شبنم  
 ز فیضِ معنی ما آفتابش می توای گفتن  
 ----- مکتوبات ص ۳۲

بزلغ پیچ در پیچ کے گم کردہ ام خود را  
 خروٹے در دل شہانمی کردم چه می کردم  
 دل پرورد و جاں افکار و یار تند خو دارم  
 جہاں رائے ز یاریہا نمی کردم چه می کردم  
 غم تحصیل و بارِ شغل و دردِ عزل می بینم  
 جنون ترک منصبانمی کردم چه می کردم  
 کے با گل ہی سازد کے بائل ہی بازو  
 اتر من یاد آں لبہا نمی کردم چه می کردم  
 نے تحقیق را از خم مشربہا بروں دیدم  
 خروج از قید مشربہا نمی کردم چه می کردم  
 حجاب وصلِ مطلوب ست دل بستن بمطلبہا  
 امیں! گر ترکِ مطلبہا نمی کردم چه می کردم

-----مکتوبات ص ۳۲

ساقی! کرے کز ہوش خود اہم  
 من بار خودم از دوش خود اہم  
 در من بنما خود را اے مہ تاباں!  
 مفتوں شدہ بر خود مدہوش خود اہم  
 مثل مئے جوشاں کز خم بدر اقد  
 جوشے زدہ بر خود از ہوش خود اہم  
 از ہر بن مو جوشد مستی دیگر  
 از فرط تماثل از آغوش خود اہم  
 از تیز زبانی آزرده دلم من  
 خوش آں کہ زمانے خاموش خود اہم  
 ”این غزل از مزاحفات بحر بیضا است مستعملین چہار بار و آں در قاری کم  
 یافتہ“ منہ قدس سرہ“  
 (مکتوبات ص ۳۲)

تا بکے محبت و زنجوری دوری بکشم  
 تازنین وطنم سوے وطن باز روم  
 تا بکے با خس و خاشاک بود صحبت من  
 صدر بزم جہنم سوے چمن باز روم  
 تا بکے ہمی سنگ شود شیوہ من  
 گوہرے از عدم سوے عدن باز روم  
 تا بکے بس زنجیر تعلق باشم  
 آہونے از ختم سوے حقن باز روم



نوعے جاں می رسد از یار بمن در دو جہاں  
 شاہِ ملکِ یمنم نوعے یمن باز روم  
 ----- مکتوبات ص ۳۲

من ندانم بادہ ام یا بادہ را چنانہ ام  
 عاشق شوریدہ ام یا عشق با جانانہ ام  
 جلاے حیرتم جاں گویت یا جانِ جاں  
 اصطلاح شوق بسیار ست و من دیوانہ ام  
 میل ہر عنصر بود نوعے مقرر اصلیش  
 جذبہٴ اصل است سر شورش مستانہ ام  
 شوق موسیٰ در ظہور آورد نارِ طور را  
 در نہادِ شمع آتش می زند پروانہ ام  
 با جمالِ ذاتش حسن دگر درکار شد  
 چشم او را سرمہ ام یا زلف او را شانہ ام  
 غافل از خود ماند از صورت چو شد آئینہ  
 تا ترا بشناختم جانان ز خود بیگانہ ام  
 اے امین! بر مستقیم نام تجدد تہمت است  
 در ازل پیش از زمان تعمیر شد میخانہ ام  
 ----- ملفوظات شاہ عبدالعزیز ص ۱۰

در صحبت اہل دل رسیدیم بے  
 پس درویزہ کتاں ز ما ہر کسے یک نفسے

-----  
 ! ۲۰ یہ دونوں شعر "حیاتِ ولی" سے لیے گئے ہیں۔

از چشمه آب زندگانی قدم  
و ز آتش وادی مقدس قیام  
-----ملفوظات ص ۱۰

(در تشریف بردن والد ماجد و پیدگفتن صاحب زاده در حق شیخ آدم بنوری و ناراضی شاہ)

شخصی بخورد و گیری ما عاجزاں قناد  
زاں رو کہ در طریقہ مخدوم آدمیم  
گفتم کہ حرف راست بگویم ز ما مرغ  
تو آدمی نبودی و ما آدمی شدیم

(فقیر در بعض اوقات دو بیتے کہ گفتم بود آں راتا اثرے دیدہ بودہ اسنت)

### رباعیات

علمی کہ نہ ماخوذ مشکوٰۃ نبی ست  
واللہ کہ سیرابی ازاں تشنہ لبی ست  
جائے کہ بود جلوۂ حق حاکم وقت  
مانع شدن حکم خرد بولہبی ست

دانی کہ چہ بود نیچ قدیم اے دلدار  
شغل دل تو ظاہر و باطن با یار  
ایں را شدی از درس عوارف عارف  
واں فن دگر باز بگیر از احرار  
در مذہب ما بہت ز اسباب غرور  
ذکرے کہ بود عاظل از انوار ظہور

در حاشیہ نفی نہ شو از خلف نفور  
در جانب اثبات برو سوسے غفور

مستی و دلولہ شرط طریق افتاد است  
بے مست شدن کار کے نکشاد ست  
در ذکرِ خفی جہرِ تخیل کردن  
شرط ست و ز استاد طریقم یاد ست

خواہی کہ مئے حرفِ محبت نوشی  
باید کہ بتقلیلِ علائق کوشی  
دل را ز خیالاتِ جہاں صرف کنی  
چشم از صورِ جملہ عالم پوشی

در عشق تو از جملہ جہاں بگذشم  
و ز ہرچہ بجز یاد تو زان بگذشم  
مقصود من بندہ بجز وصل تو نیست  
اندر طلبت از دو جہاں بگذشم

دائم دل من پیش تو حاضر باشد  
چشم بر رخ خوب تو ناظر باشد  
در مذہب ما شرکِ جلی ست و صریح  
کز سوسے دگر خطرہ خاطر باشد

دانی چه بود سهل کثیر البرکات  
در مشرب اہل دل وجود عدما ت  
تحصیل علوم هست بسی مانع  
در نفی خواطر و در سدِ جہات

خوش آں کہ بانوارِ وضو رنگین ست  
زیرا کہ طہارت ز اصول دین ست  
تنویرِ دل و نفی خواطرِ خواہی  
اقوی ذریعہٴ حصولِ این ست

تحصیلِ عدم اگر ندانی کردن  
باید نظرِ اہلِ فنایت جستن  
این داءِ عضال را دوائے بہ ازیں  
در حکمتِ اہلِ دل نحوای دیدن

آناں کہ ز ادناس بھیگی رستند  
بلچہٴ انوارِ قدم پیوستند  
فیضِ قدم از ہمت ایشاں می جو  
دروازہٴ فیضِ قدس ایشاں ہستند

آں ذات کہ از قید جہت بیرون ست  
از حیظہٴ اسماء و صفت بیرون ست

در هر مرتبه زان ذات نشانے دارد  
 هر چند ز تعیین است بیرون است

---

بر مدارک شد مظهر آن یار عجیب  
 ظاهر شده از صورتش آثار عجیب  
 در لوح دل از شیت کئی صورت او  
 پیدا شود از لوح دل اسرار عجیب

---

قوے بکتابت حرف موصوف  
 جمعی بتلاوت اسماء مصروف  
 شغفے که ازین قدم قدم پیش نهاد  
 گشت است باین صورت ذنی شغوف

---

اے دوست توئی دیده و بینائی من  
 شتوایی و دانائی و گویائی من  
 عشق تو و دل غم دیده من  
 و اندر دل غم دیده شکیبائی من  
 القول لیلی من ۳۳۳

---

ز دلی برآمد دلی بهر حج  
 به ہشتم صبح از ربیع دوم

ہزار و صد و چہل و سہ سال بود  
کہ این داعیہ گشت با فعل ضم

دلی چون پس از حج بدلی رسید  
سرآمد سفر، منقطع گشت رنج  
بتاریخ رابع عشر از رجب  
ز سال ہزار و صد و چہل و پنج  
القول الجلی، ص ۴۹

کہ باور دارد این حرف از فقیر خاکسار من  
کہ ظن عالم قدس ست انکار و قبول او  
نہ دارد باطنش از خویش آئینہ صفت زنگ  
ظلم حیرت آموزست تمکین و فصول او  
شعاع آفتاب از راه این روزن ہمیں ریزد  
بجز این نکتہ نتوان بست مضمون وصول او  
جناب آسا ز خود خالی ز سطح بحر می جوشد  
وجود او، نمود او، شہود او، حصول او  
القول الجلی، ص ۴۵۶

## تحریک ولی اللہی

کیا وہ کامیاب رہی؟

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مقام و مرتبت کی عظمت و جلالت میں

کلام و گفتگو کی گنجائش نہیں ہے۔

لیکن اگر علو مقام، قبول عام کو مستلزم نہیں ہے تو اس مسئلے میں اختلاف آراء کی گنجائش

ضرور ہے کہ

”شاہ صاحب کی تحریک کامیاب بھی رہی یا نہیں؟“

اس موضوع پر ہمارا حاصل فکر و مطالعہ استفادہ پیش خدمت ہے۔

ماضی میں افکار و نظریات کی ترویج و اشاعت کے اولین ذرائع بالعموم دو ہوتے تھے۔

اخلاف و تلامذہ

تصانیف و تالیف

مطلب یہ ہے کہ عہد ماضی میں کسی مفکر کے نظام فکر کی اشاعت اور ترویج کی صورت یہ

ہوتی تھی کہ وہ اپنی زندگی میں اپنی تحریروں میں اپنے انداز فکر اور طرز تحقیق کا ابلاغ کرتا اور اپنے

نتائج تحقیق پیش کر کے بساط حیات لپیٹ دیتا تھا۔ اس کے بعد اس کی تربیت کردہ جماعت

(اخلاف و تلامذہ) آتی تھی، یہ لوگ اسی کے انداز فکر پر سوچتے، اسی کی زبان میں بات کرتے اور

اسی کی تحقیقات کو اپنی تحریروں میں نشراتے تھے۔ اس کے اجمال میں تفصیل کارنگ بھرتے، اس کے بعد ضعیف دلائل کو قوی کرتے، اس کے وعادی میں امثلہ و نظائر کی کمی ہوتی تو اسے دور کرتے، اس کی کسی عبارت میں خلا ہوتا تو اسے پر کرتے، اس کے غیر مرتب کو مرتب کرتے اور اس طرح بلا آخر ایک فرد ایک ادارہ، ایک شخص ایک جماعت اور ایک آواز ایک تحریک بن جاتی تھی۔  
اور پھر اس تحریک کی کامیابی و ناکامی کے امکانات پیدا ہوتے تھے۔

### اخلاف و تلامذہ

شاہ صاحب کے براہ راست اخلاف و تلامذہ کی حالت یہ ہے کہ ان سے کوئی بھی شاہ صاحب کا پورا پورا ہم نو اور ہم زبان نہیں ہے۔ شاہ عبدالعزیز نے کلامی خلافت میں ان کے ہم نوا ہیں نہ فقہی خلافت میں، ان کے تحفہ اثناء عشریہ کارنگ ازالہ الحفا اور قرۃ العینین سے مختلف ہے۔ شاہ ولی اللہ سیدنا علی کے انعقاد خلافت کے قائل نہیں ہیں۔ شاہ عبدالعزیز اس کے قائل ہیں۔

شاہ ولی اللہ احناف کے اصول فقہ کو صحیح نہیں سمجھتے، شاہ عبدالعزیز نے اس کی ہرزور و مدلل تصویب و تائید کی ہے۔ شاہ صاحب کے چھوٹے بھائی اور شاہ گرد شاہ اہل اللہ شاہ صاحب کے برعکس ”حنفی حنیف“ تھے، انھوں نے فقہ حنفی کی کتاب ہدایہ کا خلاصہ کیا، دوسری کتاب کنز الدقائق کا فارسی ترجمہ کر کے اسے رائج کرنا چاہا۔ ملا معین حمویؒ پر تشیع کا غلبہ تھا، قمر الدین منت جو شاہ گرد بھی تھے اور عزیز بھی، شیعہ ہو گئے تھے۔ قاسمی تلامذہ پانی پن نے بد ملا شاہ صاحب سے اظہار اختلاف اور تہلیل کی ہے۔ شاہ محمد عاشق کی تمام تصانیف نا درالوجود ہیں۔ اصل فن حدیث پر نہ شاہ محمد عاشق کی کوئی کتاب ہے نہ شاہ عبدالعزیز کی۔ حال آں کہ حدیث شاہ صاحب کا خاص فن تھا، شاہ صاحب موطا کو رائج کرنا چاہتے تھے مروی اللہی مدارس ہی میں رائج نہ ہو سکی۔

شاہ صاحب کا ایک خاص انداز فکر اور مخصوص طرز بیان تھا۔ انھوں نے چند نئی اصطلاحات وضع کر کے اپنی تالیفات میں استعمال کی تھیں۔ چند نئے نظریات پیش کئے گئے مگر شاہ صاحب کے اخلاف اور تلامذہ نہ ان کے انداز پر سوچتے ہیں نہ ان کی زبان میں بات کرتے ہیں نہ



ان کی اصطلاحات استعمال کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ولی اللہی ملک فکر سے اپنی وابستگی، دل چسپی، اتحاد و اتفاق کا کوئی نمونہ پیش نہیں کرتے۔

ہم نے اب تک گفتگو مدرسہ رحیمیہ تک محدود رکھی ہے کیونکہ شاہ صاحب کے افکار و نظریات کی ترویج و اشاعت کی اولین ذمے داری اسی حلقے پر عائد ہوتی ہے۔ مگر جب یہی حلقہ خاموش اور کٹا کٹا سا نظر آئے تو بیرون حلقہ ان کی ترویج و اشاعت کی توقع بے جا ہی ٹھہرے گی مگر پھر بھی ہم اس حلقے سے باہر معاصرین و متاخرین کے حلقوں کا جائزہ لیتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ ان حلقوں نے شاہ صاحب سے خصوصی اعتنا کا معاملہ نہیں کیا۔

غلام علی آزاد بلگرامی (ف ۱۷۸۶ء) نے معاصر ہونے کے باوجود شاہ صاحب کا تذکرہ مآثر الکرام میں نہیں کیا، کئی قریب العہد تذکرہ نگاروں نے شاہ صاحب کا تعارف شاہ عبدالعزیز کے واسطے سے کرایا ہے، سعادت یار خاں رنگین۔ ۵

”شاہ عبدالعزیز کے والد“

مرزا علی لطف:-

”والد ماجد ہیں یہ اس رونق بخش کشور قناعت کے جس کا نام نامی مولوی عبدالعزیز ہے۔“  
تذکرہ نگاروں کو چھوڑ کر علماء کی محفل میں چلیے۔ علماء جب کسی شخصیت سے متاثر ہوتے ہیں تو اس کی کتابوں کی شرحیں لکھتے ہیں، اس پر حواشی تحریر کر۔ ہیں، اس کی کتابوں کی احادیث و روایات کی تخریج کرتے ہیں یا اپنی کتابوں میں اس عالم کے نظریات سے کوئی معاملہ ابطال یا اثبات کا کرتے ہیں۔ اختلاف کی لے بڑھ جائے تو بات تکفیر و تفسیق و تہلیل تک جا پہنچتی ہے۔ قبول و اتفاق کی صورت میں اس کے اقوال سے استناد و استدلال کرتے ہیں، اس کی کتابوں کو داخل نصاب درس کرتے ہیں۔

شاہ صاحب کے ساتھ اعتنا کی ان اشکال میں سے کوئی بھی شکل اختیار نہیں کی گئی، شاہ صاحب کی تالیفات کی طرف جب ان کے حلقے کے علمائے توجہ نہیں کی تو بدیہہ چہ رسد۔ دیوبند جیسے ولی اللہی مدرسے میں شاہ کی کوئی کتاب داخل نہیں کی گئی تو دوسرے مدارس کا کیا تذکرہ؟

دیوبند میں شاہ صاحب کے متعلق کیا رائے تھی اس کا اندازہ مولانا سندھی کے اس قول سے کیجئے کہ ان کے دورِ تعلم میں یہ حالت تھی کہ مولانا محمود حسن کو جب شاہ ولی اللہ یا شاہ عبدالعزیز کی رائے کسی مسئلے میں بیان کرنی ہوتی تو وہ ان حضرات کا نام لینے کے بجائے فرماتے کہ محققین کی اس مسئلے میں یہ رائے ہے کیوں کہ

”حضرت جانتے تھے کہ شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز کی بات سننے کے لیے طلبہ تیار نہیں ہوں گے۔“ ۸

### تصانیف و تالیفات

شاہ صاحب کی تالیفات کے سلسلے میں پہلی بات تو یہ ذہن میں رکھنے کی ہے کہ ان میں سے (۱) ایک تعداد طبع ہو چکی ہے (۲) ایک تعداد غیر مطبوعہ کتابوں کی ہے جو مخطوطات کی شکل میں کہیں کہیں پائی جاتی ہیں (۳) ایک اور تعداد ان کتابوں کی ہے جس کے صرف ناموں سے دنیا آشنا ہے، ان کے مخطوطات کا کوئی سراغ کم سے کم راقم الحروف کو نہ مل سکا۔

دوسری خاص بات یہ ہے کہ شاہ صاحب کی تالیفات ابتدا ہی سے کم یاب ہیں۔ فتح النجیر، حجة اللہ البالغہ، البدور البازغہ، ازلة الخفا اور قرۃ العینین جب پہلی بار شائع ہوئیں تو ان کے ناشرین کو ان کے علی الترتیب ایک، چار، تین، تین اور ایک مخطوطے دست یاب ہوئے تھے۔ کم یابی کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے جب یہ دیکھتے ہیں کہ یہ کم یابی سن ستاون کے ہنگامے سے قبل ہی شروع ہو گئی تھی۔ مذکورہ بالا کتابوں میں سے پہلی کتاب ۱۸۳۳ء میں ہو گئی سے شائع ہوئی تھی اور ناشر کو صرف ایک نسخہ ملا تھا جب کہ ناشر اسی حلقے سے وابستہ تھا گویا بنگامہ رستائیز سے ۲۳ سال قبل اور شاہ صاحب کی وفات کے ستر سال کے اندر اندر ان کی کتابوں کا قحط شروع ہو گیا تھا۔ زیادہ حیرت اس پر ہے کہ یہ قحط شاہ صاحب کے خاندان اور اصحاب سلسلہ ہی میں تھا۔ مولوی سید احمد ولی اللہی<sup>۹</sup> جو شاہ رفیع الدین کے نواسے کے پوتے تھے انھوں نے مولوی سید عبدالحی (صاحب نزہۃ الخواطر) سے ہمععات بھیجنے کی فرمائش کی تھی۔ مولوی سید احمد کے خواہر زادے مولوی سید عبدالغنی نے جو خود کو

نواسر و جانشین حضرت شاہ صاحب لکھتے تھے، جب تمہیمات الہیہ شائع کی تو اس کے آخر میں یہ اپیل بھی شائع کی تھی کہ جن حضرات کے پاس اس خاندان کے اکابر کے رسائل ہوں وہ ہمیں عاریتاً فراہم کریں کہ ہم انہیں طبع کرا سکیں۔

اب شاہ صاحب کے رسائل و کتب کی طباعت و اشاعت کا جائزہ لیجئے۔ از لہ: الخفا پہلی بار ۱۲۸۶ھ/۱۸۷۰ء میں بریلی سے شائع ہوئی تھی۔ از لہ: الخفا کی وہ اشاعت پہلی بھی تھی اور آخری بھی، اصل فارسی متن آج تک صرف ایک بار شائع ہوا ہے۔ اس واحد اشاعت کی تعداد بھی صرف دو تھی۔

البدور البازغہ صرف ایک بار، تمہیمات الہیہ کامل صرف ایک بار، مصنفی صرف دو بار، مسوئی صرف تین بار۔ یہ صرف طباعت کا ذکر تھا، اشاعت و فروخت کا حال یہ ہے کہ مسوئی (طبع حجاز ۱۹۳۳ء) کا اشتہار آج تک ”الولی“ (حیدرآباد سندھ) میں شائع ہو رہا ہے۔ مطلب یہ کہ ۴۰/۳۵ سال گزرنے کے باوجود ان کتابوں کے نسخے ابھی تک ختم نہیں ہوئے۔

مختصر یہ کہ شاہ صاحب کے رسائل و کتب میں سے کچھ تو بالکل ناپید و نایاب ہیں، کچھ کے مخطوطات کہیں کہیں سننے میں آتے ہیں باقی جو طبع ہوئے ان کی اشاعت عام نہیں ہو سکی۔ حاصل یہ کہ شاہ صاحب کے مخصوص افکار و نظریات کی ترویج و اشاعت نہ ان کے اخلاف و تلامذہ کے ذریعے ہو سکی نہ ان کی کتابوں کے ذریعے۔

یہاں بجا طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا؟ اور شاہ صاحب قبول عام خواص کیوں حاصل نہ کر سکے؟ ہماری ناقص رائے میں ان کے مسلک اور مشن کے عدم قبول و ردواج و نفوذ کے اسباب تین قسم کے ہیں، وہ اسباب

☆ جن کا تعلق بخت و اتفاق سے ہے

☆ جن کا تعلق شاہ صاحب سے ہے

☆ جن کا تعلق ہم سے ہے

آئیے، بترتیب ان اسباب کا جائزہ لیں۔

شاہ صاحب کے پانچ صاحب زادے تھے۔ ان میں سے سب سے بڑے شاہ محمد تھے۔ شاہ محمد اگرچہ فاضل تھے اور بقول صاحب زبیر الخواطر محدث تھے مگر ان کی علمی سرگرمیوں اور افادہ تدریس کا کوئی سراغ نہیں ملتا، پھر ان پر جذب غالب تھا، اس لیے وہ خارج از بحث ہیں۔ باقی چار صاحب زادوں میں سے سب سے بڑے شاہ عبدالعزیز تھے، جن کی عمر شاہ صاحب کی وفات کے وقت صرف ۱۶ سال تھی اور اگرچہ انہوں نے شاہ صاحب سے بھی تحصیل علوم کی تھی مگر تکمیل و فراغ کی منزل والد کی وفات کے بعد شاہ محمد عاشق، شیخ نور اللہ اور خواجہ محمد امین کی رہنمائی میں طے کی تھی۔ پھر اگرچہ وہ ذکاوت و فطانت کی وافر مقدار سے بہرہ ور تھے مگر بہر حال عمر کی اس منزل پر نہیں پہنچے تھے جہاں باپ اپنے بیٹے کو اپنے اسرار و علوم منتقل کرتا ہے اور اپنے نظریات کو اس کے قلب میں راسخ اور دماغ میں مستحکم کرتا ہے۔ عمر کی ناپختگی کے علاوہ طالب علمی کا عہد بھی ان کاموں کے لیے ناموزوں اور ناسازگار ہوتا ہے، فراغ کے بعد جب طالب علم کو قطع کی ہوئی منزلوں کی طرف پلٹ کر دیکھنے کا موقع ملتا ہے اور حاصل کئے ہوئے ذخیرے کے جائزے کی مہلت ملتی ہے اور تدریس یا تالیف کی ضرورتوں کے پیش نظر معلومات کی ترتیب، مختلفات میں تطبیق، اپنے مسلک کی تعیین اور غیر نصابی کتب کا مطالعہ کرنا پڑتا ہے تو درحقیقت وہ منزل آتی ہے جسے قدیم درس گاہی زبان میں ”حقیقی طلب علم“ کی منزل کہا جاتا تھا۔ مختصر یہ کہ شاہ عبدالعزیز کو نوعمری، والد کی مسلسل بیماری، طلب علم میں مصروفیت کی بنا پر اپنے والد کے مزاج سے تعارف اور ان کے منفردانہ افکار کے جذب و ہضم کا موقع نہیں ملا تھا۔ دوسرے تین بھائیوں کا تو ذکر ہی کیا کہ وہ علی الترتیب ۱۲-۱۸ اور ۴ برس کے تھے۔ حاصل یہ کہ شاہ صاحب کو اس کا موقع نہیں ملا کہ وہ اپنے صاحب زادوں کو اپنے انداز فکر کی تربیت دے سکتے۔

اب تلامذہ کو نیچے۔ اولاً تو شاہ صاحب کے تلامذہ کی تعداد پہلے ہی بہت مختصر ہے اور اس کمی کی وجہ شاہ عبدالعزیز کے بیان<sup>۱۲</sup> کے مطابق یہ تھی کہ جب اپنے شاگردوں کی ایک ایسی جماعت تیار کر لی جو مختلف فنون کے ماہر تھے تو مدرسہ ان کے سپرد کر کے خود فکر و تحقیق اور تصنیف و تالیف کے

لیے وقف ہو کر رہ گئے تھے۔ اسی بیان سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ یہ محدود تعداد ان سے اس عہد میں مستفید ہوئی تھی جب ان کے افکار میں مجتہدانہ رنگ، انقلابیت، انفرادیت اور پختگی نہیں آئی تھی۔ گویا یہ تلامذہ میاں ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم کے تلامذہ تھے جو اپنے دور کے ایک ممتاز محنت کش، ذہین و مستعد عالم تھے۔ مفکر اسلام، مجدد مآد اور مسویٰ، مصنفی، حجۃ اور ازالہ کے مصنف حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے تلامذہ نہیں تھے۔

ثانیاً جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں چند تلامذہ شاہ صاحب کے مسلک سے منحرف تھے، شاہ اہل اللہ ”حنفی حنیف“ تھے، مخدوم معین تحوی تشیع کی طرف میلان رکھتے تھے قمر الدین منت نے مسلک تشیع اختیار کر ہی لیا تھا۔

ثالثاً شاہ صاحب کی وفات کے صرف دس سال کے بعد حلقہ ولی اللہی کو ایک ایسا حادثہ پیش آیا جس نے حلقے کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔ ہوا یہ کہ ایک ہی سال ۱۱۸۷ھ میں حلقہ کے ایک دو نہیں پانچ اراکین و اساطین ”باجماعت“ رحلت کر گئے۔

(۱) شاہ اہل اللہ برادر خورد اور شاگرد۔

(۲) شیخ نور اللہ پھلتی، رفیق درس، ماموں اور خسر

(۳) شاہ محمد عاشق، رفیق درس، شاعر، دوست، میرے بھائی، نسبتی بھائی اور خلیفہ۔

(۵) حاجی محمد سعید بریلوی، شاعر۔

یہ تھے وہ حالات جن کا تعلق بخت و اتفاق سے تھا اور جن کی بنا پر مسلک شاہی کے قبعین

وموئیدین کا دائرہ وسیع نہ ہو سکا۔

فکر ولی اللہی کے عدم قبول کا وہ سبب بھی بہت اہم ہے جس کا تعلق خود شاہ صاحب سے

ہے۔ اور اسی سبب کا تعلق ہم مخاطبین و قارئین سے بھی ہے۔ شاہ صاحب دراصل غیر معمولی انسان

تھے، دل کے لحاظ سے بھی اور دماغ کے لحاظ سے بھی۔

ان کا تفکر تہمت پسندانہ اور ابلاغ دیانت، دارانہ تھا۔ وہ کسی بھی لے پر خواہ اس کا تعلق

فقہ سے ہو یا عقائد و کلام سے، تفسیر سے ہو یا تہذیب سے، پہلے سے کوئی رائے قائم کر کے غور نہیں کیا

کرتے تھے، پھر ان کے نتائج فکر جو کچھ ہوتے تھے ان کو جوں کا توں نذرِ قرطاس و سپردِ قلم کر دیا کرتے تھے۔

ان کا اندازِ فکر غیر جانب دارانہ اور ”غیر فرقہ وارانہ“ تھا۔ وہ خاندانی طور پر فقہ، کلام اور تصوف کے مکاتبِ فکر میں سے ایک مکتبِ فکر سے وابستہ تھے، لیکن فکر و تحقیق کے مرحلے میں وہ ہر مسئلے اور ہر جزئیے اپنے مکتبِ فکر کی ہم نوائی اور تائید و انتصار کے پابند ہو کر نہیں رہتے تھے۔

ان کا اندازِ فکر ”غیر مقلدانہ“ اور مجتہدانہ بھی تھا۔ وہ صرف نقل و اقوال اور جمع و ترتیب پر اکتفا کے قائل نہیں کرتے تھے وہ اپنے دماغ کو بھی زحمتِ تفکر دیتے رہنے کے عادی تھے۔

تاریخِ اسلام کے عمیق مطالعے، عالمِ اسلام کے عہدِ حال پر وسعتِ نظر، اسبابِ زوالِ امت کے مفصل جائزے، کثرتِ مطالعہ، وسعتِ نگاہ، صوفیانہ اور دروہندانہ افتاد مزاج کی وجہ سے وہ خلافت میں رفعِ نزاع اور دفعِ تعارض کے لیے کوشاں رہتے تھے۔ اسبابِ اختلاف کا سراغ لگا کر وجوہِ اشتراک معلوم کر لینے کی فکر میں رہتے تھے۔ تطبیق و توافق ان کا محبوب مشغلہ تھا، اربابِ تسنن اور اصحابِ تشیع کے اختلافات ہوں یا فقہاءِ اربعہ کے تعارضات یا صوفیاء کے باہم متناقض نقطہ ہائے نظر، وہ جہاں تک امکان ہوتا ان میں تطبیق کی کوشش کرتے تھے اور متحاربین کو راہِ اعتدال دکھاتے تھے۔

ادھر تو شاہ صاحب اور ان کے تفکر کی یہ شان، اور ادھر ہمارا یہ حال کہ ہم عہدِ زوال کی تمام خصوصیات سے بہرہ ور، ہم نے دین و سیاست ہو یا علم و ادب زندگی کے ہر شعبے میں شطرنج کے سے کچھ خانے بنائے ہیں جو خطوط سے محدود ہیں۔ اب ہر شخص پر ہمارے زعم میں واجب ہے کہ وہ فقہی کلامی، تاریخی، ادبی، سیاسی مکاتب میں سے کسی ایک مکتب سے کلیتہً اتفاق کرے یا کلیتہً اختلاف اور فرض ہے کہ وہ ان خانوں میں سے کسی ایک خانے کے وسط میں خطوط و حدود سے دامن بچا کر کھڑا ہو۔ اب اگر کوئی غریب اپنے دماغ سے سوچنے کا خوگر ہے، مسائل میں اس کی اپنی بھی رائے ہوتی ہے اور وہ تحقیق کے بغیر کوئی قول تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا اور کسی ایک ہی گروہ سے عمومی اور دوامی وابستگی کو واجب اور فرض نہیں سمجھتا اور وہ ان خانوں کی ”جغرافیائی حدود“ کا شدت سے پابند

نہیں ہے اور کسی معاملے میں ”خط کے اس پار“ والوں سے بھی متفق ہو سکتا ہے تو وہ ان دونوں خانوں والوں کی نظر میں اجنبی ٹھہرتا ہے اور ”مشکوک“ قرار پاتا ہے کہ ہر مسئلے میں جماعت سے متفق کیوں نہیں ہے؟ حلقے کا صدنی صدوقادار کیوں نہیں ہے؟ دوسری جماعت اور حلقے کو شرمحض کیوں نہیں سمجھتا؟ ”اغیار“ کی آراء کے ساتھ ان کی نیت کو محل کلام کیوں نہیں سمجھتا؟ افکار کے ساتھ ساتھ کردار پر بھی نکتہ چینی اس کے نزدیک ناروا کیوں ہے؟ جزئیات میں اختلاف کو اہمیت کیوں نہیں دیتا؟ وجود اشتراک کی تلاش میں کیوں سرگرداں رہتا ہے؟

آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ شاہ صاحب جیسا اعتدال پسند ”تطبیق کوش“ اور ”خود فکر“ عالم ہم جیسے ”خانہ نشینوں“ اور انتہا پسندوں میں کس طرح قبول حاصل کر سکتا تھا اور اس کی تحریک ہمارے معاشرے میں کس طرح رسوخ و رواج پا سکتی تھی؟

اہل سنت ان سے ناخوش ہیں کہ وہ امامین کی بے محابا کفیر نہیں کرتے تھے اور تفصیل شیخین کے بجائے تفصیل علی علی الشیخین کی طرف میلان بتاتے تھے مگر امامین نے ان سے طرفہ معاملہ کیا، سودانے ان کا قصیدہ ہجویہ لکھا، صاحب گلشن ہند نے ان پر ”ابطال شہادۃ حسنین“ کی تہمت تراشی۔

شاہ صاحب نے وحدت وجود وحدت شہود میں تطبیق فرمائی تو وجودی خوش ہوئے نہ شہودی، مرزا مظہر جان جاناں نے خود بھی ناپسندیدگی ظاہر فرمائی اور ”کلمۃ الحق“ بھی لکھوایا۔ فقہی مسائل میں اعتدال و توسط اختیار کرنے کے جرم میں احناف نے ان سے برأت کی ضرورت محسوس کی۔ مگر اہل حدیث نے ان کے افکار میں خامی محسوس کر کے خود رسائل تصنیف کئے اور ان کے نام سے منسوب کر دیئے اپنی باتیں ان کی زبان سے کہلوائیں اور احناف سے ان کو مزید بدظن اور دورتر کر دیا۔

حواشی

(۱) شاہ اسماعیل نے بھی ”منصب امامت“ میں انعقاد خلافت سیدنا علیؑ کو محکم و مدلل کیا ہے۔

(۲) ”رسالہ اصول فقہی“ و ”رسالہ ماخذ ائمہ اربعہ“ (مشمولہ فتاویٰ عزیزی جلد اول)

(۳) مقدمہ داراسات الملیب از مولانا محمد عبدالرشید نعمانی کراچی۔

(۴) وصایاء اربعہ مرتبہ پروفیسر محمد ایوب قادری، صفحہ ۸۵

(۵) وصایاء اربعہ صفحہ ۱۰۷

(۶) گلشن ہند، انجمن ترقی اردو ہند سیدرا آباد دکن ۱۹۰۱ء

(۷) اب چند سال سے الفوز الکبیر اور حجۃ اللہ الباقیہ شامل نصاب کی گئی ہیں۔

(۸) شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ صفحہ ۶۱

(۹) دہلی اور اس کے اطراف صفحہ ۶۸

(۱۰) از لہ الخفا کے اردو ترجموں کی داستان یہ ہے کہ مکمل اردو ترجمہ پہلی بار کراچی ۱۹۵۹ء میں شائع ہوا پھر کراچی سے دوبارہ یہی ترجمہ ۱۹۶۰ء میں چھپا۔ مکمل ترجمہ ایک لکھنؤ سے دوسرا لاہور سے (۱۹۰۶ء میں)، تیسرا دہلی سے شائع ہوا۔

(۱۱) یہ بھی یاد رکھیے کہ شاہ ولی اللہ وفات سے پہلے امراض و عوارض میں مبتلا اور مہلت میں مقیم رہے اور قبیل وفات مہلت سے دہلی لائے گئے تھے۔

(۱۲) ملفوظات عزیزی صفحہ ۴۰

(۱۳) شاہ عبدالعزیز نے بیان فرمایا ہے کہ ایک شخص نے شاہ صاحب سے شیعوں کے کفر و ایمان کے متعلق دریافت کیا۔ شاہ صاحب نے (سائل کے حسب فتا شیعوں کو کافر کہنے کے بجائے) اس مسئلے میں فقہاء کا اختلاف بیان کرنا شروع کیا تو سائل غضبناک ہو کر یہ کہتا ہوا اٹھ کر چلا گیا کہ ”مجھے تو یہ خود شیعوں معلوم ہوتا ہے“ ملفوظات عزیزی صفحہ ۳۲ طبع میرٹھ ۱۳۱۳ھ



## شاہ ولی اللہ کا مدرسہ رحیمیہ

شاہ عبدالرحیم (ف ۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۹ء) کا مدرسہ کوئی عام اور معمولی درس گاہ نہیں تھا۔ مختلف اعتبارات سے اس کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ اس کے صدر نشینوں، معلمین، مستندین کی عظمت مقام نے مسلسل ڈیڑھ سو سال تک اس درس گاہ کو برصغیر کی ایک ممتاز ترین درس گاہ بنائے رکھا اور جب تسلسل حوادث اس چراغ کو بجھا دینے میں کامیاب ہو گیا تو نہ صرف برصغیر کے گوشے گوشے بلکہ بیرون بر بھی بہت سے مقامات پر اس چراغ سے روشنی حاصل کرنے والے چراغ روشن و فروزاں ہو چکے تھے اور بجز اللہ یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ یایوں کہہ لیجئے کہ صرصر انقلاب نے اس مرکزی درس گاہ کی خدمات کا سلسلہ اگرچہ منقطع کر دیا، مگر ملک و بیرون ملک اس کی صد ہا شاخیں آج تک قائم و باقی اور سرگرم خدمت ہیں۔

یہ مدرسہ صرف ایک درس گاہ نہیں تھا، بلکہ برصغیر کی ایک انقلابی تحریک کا مرکزی ادارہ تھا۔ اسے ایک خانقاہ کی حیثیت بھی حاصل تھی، یہاں کردار بنائے جاتے تھے، یہاں انسان ڈھالے جاتے تھے اور مجاہدین کی تربیت کی جاتی تھی۔ اسے ایک اکادمی کہنا بھی بے جا نہ ہوگا کیونکہ اس کے سربراہوں اور اساطین کے قلم اور ذہن تحقیق و تدقیق کے میدان میں بھی گرم رفتار رہے، اس کی سیاسی خدمات کا باب بھی دوسرے ابواب سے کم اہم نہیں ہے۔ یہاں وقت کے مغل فرماں رواؤں نے نیاز مندانہ اور عاجزانہ حاضری دی ہے، پانی پت کا تاریخی معرکہ کارزار اسی مدرسہ کے ایک رکن رکیں کا ہرپا کیا ہوا تھا۔ سرحد و پنجاب کے میدانوں میں رنجیت سنگھ کی فوجوں سے جن

سرفردشوں کی کاذا آرائی ہوئی وہ اسی مدرسے، اسی خانقاہ سے درس جہاد لے کر نکلے تھے۔ جزائر انڈمان کی قبروں میں اسی دبستان فکر و عمل کے مستفیدین و محصلین جو خواب راحت ہیں، رحم اللہ علیہم۔

اسی مدرسے، خانقاہ، اکادمی اور مرکز ملی و دینی و سیاسی کی تاریخ پیش خدمت ہے۔

اس مدرسہ کو اب عموماً مدرسہ رحیمہ لکھا اور کہا جانے لگا ہے۔ یہ نام ابتداءً مولوی سید احمد دلی اللہی نے اپنی ایک تحریر میں استعمال کیا تھا۔ ان کی تقلید میں مولوی رحیم بخش نے پھر مولوی بشیر الدین دہلوی نے استعمال کیا اور غلط نہیں کیا مگر واقعہ یہی ہے کہ مولوی سید احمد نے پہلے پہل اس مدرسہ کو مدرسہ رحیمہ کے نام سے یاد کیا تھا۔ شاہ عبدالرحیم، شاہ ولی اللہ، ان کے فرزندان گرامی، علاوہ و خلفا میں سے کسی کی تحریر میں یہ نام ہماری نظر سے نہیں گزرا، اس کو یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس مدرسے کو یہ نام اس کے ختم ہونے کے بعد دیا گیا ہے۔

بہر حال اس مدرسے کے بانی شاہ عبدالرحیم تھے، مدرسے کے آغاز کے صحیح عہد کا تعین مشکل ہے۔ اندازہ ہے کہ اوہیں ہجری / سرخویں عیسوی کے رابع آخر میں انہوں نے یہ مدرسہ قائم کیا ہوگا۔ میں سمجھتا ہوں کہ شاہ عبدالرحیم کی حیات میں مدرسہ نام صرف ان کی درس گاہ کا ہوگا۔ ہم شاہ عبدالرحیم کے علاوہ اس دور کے کسی معلم سے لاعلم ہیں۔ اس دور کے طلبہ کی تعداد زیادہ نہیں ہے۔ اس دور کے سب سے نمایاں طالب العلم تو شاہ ولی اللہ ہی ہیں، دوسرا نام شیخ بدرالحق پھلتی کا ہے جن کو والد کی وفات کے بعد ۱۱۴۲ھ میں شاہ ولی اللہ ہی نے سند عطا کی تھی۔

مولوی رحیم بخش لکھتے ہیں:

”مدرسہ شاہ عبدالرحیم، شاہ عبدالرحیم نے اپنے مکان مہندیوں میں مہد عالم گیر میں قائم کیا تھا۔“

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

”شیخ (عبدالرحیم) صاحب نے پرانی دہلی میں اس مقام پر ایک مدرسہ قائم کیا جو اب مہندیوں کے نام سے مشہور ہے اور اس کا نام مدرسہ رحیمہ رکھا۔“

مدرسے کا اصل اور روشن دور شاہ ولی اللہ کا دور ہے۔ شاہ صاحب نے اپنے والد ماجد کی حیات ہی میں تدریس کا آغاز کر دیا تھا۔ والد کی وفات کے بعد زیادہ احساس ذمہ داری اور زیادہ انہماک کے ساتھ تدریس میں مشغول ہو گئے۔

فرماتے ہیں: ۷

”بعد از وفات ایشاں دو از وہ سال کم و بیش بدرس کتب دینیہ و عقلیہ مواظبت نمود۔“  
یعنی والد کی وفات کے بعد تقریباً ۱۲ سال دینیات و معقولات کی کتابوں کے درس کا مشغل رہا۔  
مولوی رحیم بخش لکھتے ہیں۔ ۷

(شاہ صاحب) ”پورے بارہ سال تک اس (تدریس) میں اس استغراق اور محویت کے ساتھ مصروف رہے جس کی کہیں نظیر نہیں ملتی۔“  
مولوی سید احمد لکھتے ہیں: ۸

”بعدہ آپ اپنے والد بزرگوار کی جگہ قائم مقام اور سجادہ نشین ہوئے اور طالبان ہدایت کو سیدھے رستے لگانا شروع کیا۔ کتب دینیہ و عقلیہ کی تدریس کا سلسلہ شروع کیا، جوق درجوق لوگ آنے شروع ہوئے۔ سینکڑوں طالب علم مستفیض ہونے لگے۔“

شاہ ولی اللہ نے مسند درس پر متمکن ہونے کے بعد نصاب تعلیم میں بھی ترمیم کی اور درس قرآن کریم کو جز و نصاب قرار دیا اور شاہ محمد عاشق کو ترجمہ قرآن پڑھانا شروع کیا۔ بعد میں اس ترجمہ قرآن کو قلم بند کرنے کا خیال ہوا اور ایک حصہ سفر حج سے پہلے اور باقی حصہ سفر حج کے بعد ۱۱۵۱ھ میں مکمل ہوا اور ۱۱۵۶ھ میں خولجہ محمد امین نے اس ترجمہ کو رواج دیا۔<sup>۹</sup> رواج سے مراد ہمارے خیال میں نصاب تعلیم کا لازمی جز بنا لینا ہے۔

اس دور کے کسی دوسرے معلم مدرسہ کا نام ہمارے علم میں نہیں ہے لیکن مورخین نے طلبہ کی جس کثرت کا ذکر کیا ہے اس کے پیش نظر ہمارے خیال میں شاہ صاحب کے دو ایک معاون ضرور ہوں گے۔

اس دور کے تلامذہ میں شاہ محمد عاشق، شاہ نور اللہ پھلتی، شاہ اہل اللہ، خواجہ محمد امین کشمیری کے نام محفوظ ہیں۔

۱۲ سال تک اس طرح داؤد زریں دینے کے بعد شاہ صاحب ۱۱۴۳ھ/۱۷۳۱ء میں حج کو تشریف لے گئے اور دو سال تین ماہ بعد واپس تشریف لائے اور مہندیوں کے مدرسے میں قال اللہ و قال الرسول کی محفل پھر گرم ہو گئی۔ اس سفر میں حج و زیارت کے ساتھ آپ نے محدثین عبد سے بھرپور استفادہ کیا۔ فکر و نظر کی نئی راہیں و ابوابیں اور کتب و مصنفین کے ایک نئے حلقے سے تعارف ہوا۔ آپ کے چند منتہی تلامذہ شاہ محمد عاشق، اخون محمد سعید وغیرہ بھی آپ کے نہ صرف شریک سفر حج تھے بلکہ شیوخ حجاز سے استفادہ و تلمذ میں بھی رفیق تھے۔ اس ”سروساماں“ کے ساتھ مراجعت وطن کے بعد آپ نے مدرسے کے جس نئے دور کا آغاز کیا اس کا تذکرہ مولوی سید احمد کی زبانی سنئے:

(آپ) ”دہلی میں واپس تشریف لائے اور اپنے قدیمی مکان میں اقامت کی، مدرسہ رحیمیہ کو جس کی بنیاد جناب شیخ عبدالرحیم صاحب ڈال گئے تھے، رونق دی۔ حدیث و تفسیر کا درس دینا شروع کیا تو گویا شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کے بعد اس زمانے میں آپ نے حدیث شریف کو فروغ بخشا، اطراف ہند میں آپ کی حدیث دانی کی شہرت ہوئی۔ طالب علموں کے پرے کے پرے آنے شروع ہوئے۔ پرانی دلی دارالحدیث بن گئی۔ حقیقت میں جناب حضرت شاہ ولی اللہ کی درس گاہ اس وقت علوم حدیث و تفسیر کا مخزن اور حنفی فقہ کا سرچشمہ تھی۔“

والد کی وفات سے سفر حج تک بارہ سال جم کر پڑھانے کے نتیجے میں آپ کو اپنے فارغ التحصیل تلامذہ کی ایک ایسی جماعت بھی مل گئی تھی جو تدریس میں ان کی رفیق و معاون ہوئی۔ ان معاونین میں سے شاہ محمد عاشق اور اخون محمد سعید کے نام ہم پہلے لے چکے ہیں، تیسرے خواجہ محمد امین ولی اللہی تھے جو شاہ عبدالعزیز کے بھی استاد تھے چوتھا نام ہمارے خیال میں شاہ اہل اللہ کا ہے

جو شاہ ولی اللہ سے دو سال چھوٹے تھے اور جنہیں سفر حج پر روانہ ہوتے وقت شاہ صاحب اعطاء خرقہ اجازت بیعت و ارشاد اور دستار فضیلت سے سرفراز فرماتے گئے تھے۔

شاہ صاحب نے سفر حرمین سے مراجعت کے بعد تجدید و احیاء اور ملت کی جامع و ہشت پہلو اصلاح کا جو منصوبہ بنایا تھا، اس کا تقاضا تھا کہ اپنی جسمانی و ذہنی صلاحیتوں اور اپنے اوقات کا صرف بڑی احتیاط اور باقاعدگی کے ساتھ فرمائیں اور کسی ایسے مشغلے میں آپ صرف اوقات واستعداد نہ فرمائیں جس کی افادیت کا دائرہ محدود ہو، چنانچہ تدریس اور تحریر میں سے آپ نے تحریر کو اس کی زمانی و مکانی افادیت کے پیش نظر ترجیح دی اور اپنے بیش تر اوقات غور و فکر اور نتائج غور و فکر کو قلم بند کرنے کے لیے وقف کرنے کا فیصلہ فرمایا، مگر اس سے پہلے تدریس کا فرض ادا کرنے کے لیے ایک جماعتِ معلمین کو تربیت دینے کا عزم کیا۔ اپنے ۱۲/۱۵ سالہ عہد تدریس میں انہوں نے متعدد علماء پیدا کر دیئے تھے، ان کی تدریس کی تربیت بھی ہو گئی تھی، ان کے فنون کا تخصص بھی نکھر چکا تھا۔ اب وہ وقت آ گیا تھا کہ شاہ صاحب نگرانی و سرپرستی تک خود کو محدود کر لیں اور تدریس سے دست کش ہو کر خود کو فکر و تحقیق اور تصنیف و تالیف کے لیے وقف کر دیں۔ شاہ عبدالعزیز نے شاہ صاحب کی اس منصوبہ بندی اور تقسیم کار کا ذکر اپنے ایک ملفوظ میں اس طرح فرمایا ہے۔

”حضرت والد ماجد از ہر فن شخصے تیار کردہ بودند طالب ہر فن باوے می سپردند بعد مراقبہ چہ بکشف می رسیدی نگاشتمہ مرخص ہم کم می شدند۔“

(حضرت والد ماجد نے ہر فن کے لیے ایک شاگرد کو تیار کیا تھا) (مختص بنایا تھا) اور ہر فن کے طالب علم کو اس مختص کے سر فرماتے تھے اور خود فکر و نظر اور تحریر میں مشغول رہتے تھے فکر و نظر کے جو نتائج ہوتے تھے ان کو قلم بند فرمالتے تھے، مرخص بھی کم ہی ہوتے تھے۔)

غالباً اسی تقسیم کار اور ترک مشغلہ تدریس کا ہی نتیجہ ہے کہ ہم شاہ صاحب کے تلامذہ

کی تعداد حیرت انگیز طور پر کم پاتے ہیں اور مختلف و متعدد ماخذ سے تلاش بسیار کے بعد ہم ۱۶۳۲

کا شمار کر سکتے ہیں (جن کی فہرست مع حوالہ ماخذ ایک مستقل مضمون میں درج ہے)۔  
 القول الجلی میں متعدد مزید تلامذہ مذکور ہیں۔ ان ہی تلامذہ میں سے شاہ صاحب نے  
 کچھ حضرات کو معلم بنایا ہوگا۔

شاہ عبدالرحیم کے زمانے سے یہ مدرسہ مہندیوں میں قائم تھا۔ شاہ ولی اللہ کے سفر حج  
 سے آنے کے بعد بھی وہیں رہا اور پھر شاہ جہاں آباد<sup>۱۲</sup> منتقل ہو گیا۔ مولوی سید احمد لکھتے ہیں۔<sup>۱۳</sup>  
 ”روشن اختر محمد شاہ بادشاہ کا زمانہ تھا، اس نے چاہا کہ شاہ صاحب کے دم سے شاہ  
 جہاں آباد کو عزت ہوئی تو کیا کہتا ہے، لہذا مولانا کو شاہ جہاں آباد میں بلایا اور ایک عالی  
 شان مکان رہنے کے لیے دیا جس کا تفصیلی حال ہم اپنی کتاب یادگار دہلی میں لکھ چکے  
 ہیں۔ شاہ صاحب شاہ جہاں آباد شریف آئے اور مع قبائل رہنے لگے۔“

یہ مکان اس محلے میں تھا جس کو آج کل ”کلاں محل“ کہا جاتا ہے، اس مکان کا وہ حصہ جو  
 شاہ صاحب کے خاندان کی سکونت کے لیے مخصوص تھا ”زنانہ“ کہلاتا تھا اور وہ بیرونی حصہ جس میں  
 درس گاہ تھی ”مدرسہ“ کہلاتا تھا۔ یہ عمارت جو بقول بشیر الدین ”نہایت عالی شان اور خوبصورت“  
 تھی، غدر تک صحیح حالت میں تھی۔

”غدر میں مکانات لوٹ لیے گئے، گرا دیئے گئے، کڑی تختہ تک لوگ اٹھالے گئے  
 خانہ خالی راد یومی گیر۔ ایک شریف گروہی تھی کہ الہی توبہ۔ جس کی لاشی اس کی بھینس،  
 جس کا قابو چلا وہ قابض ہو گیا، اب متفرق مکانات اس جگہ بن گئے ہیں، مگر محلہ شاہ  
 عبدالعزیز ”مدرسہ“ کے نام سے آج تک پکارا جاتا ہے۔“<sup>۱۴</sup>

مولوی سید احمد نے مزید تفصیل سے بتایا ہے کہ ”مدرسہ کلاں۔۔۔ تخمیناً چالیس سال سے  
 غیر آباد ہے، اگرچہ اواد مولانا شاہ رفیع الدین صاحب ممدوح سے چند اشخاص اسی مدرسہ موصوف  
 میں برابر سکونت پذیر رہے۔ اسی اثنا میں مکان مدرسہ بھی ایام غدر میں منہدم ہو گیا۔“

مدرسے کا دوسرا دور اس وقت شروع ہوا جب مدرسے کا اہتمام و صدارت کا بار شاہ

عبدالعزیز جیسے جوان پختہ کار نے اٹھایا۔

شاہ ولی اللہ کی وفات کے وقت (۱۷۶۲ء) شاہ عبدالعزیز صرف ایک سولہ سالہ منتہی طالب علم تھے۔ ان کی باقی تین حقیقی بھائی بترتیب ۱۲-۸-۳ سال کے تھے۔ شاہ عبدالعزیز نے اپنے والد ماجد کے تلامذہ و شاگردوں سے تعلیم کے آخری مراحل طے کئے اور طریقہ ولی اللہی کے سجادہ خلافت اور مدرسہ ولی اللہی کی : : صدارت پر متمکن ہو گئے۔ اس وقت ان کے معاونین شاہ محمد عاشق، شاہ نور اللہ، خواجہ محمد امین، بابا فضل اللہ تھے۔ ۳ سال بعد ہی ۱۷۶۹ھ میں ان کے چھوٹے بھائی شاہ رفیع الدین تعلیم سے فارغ ہوتے ہی تعلیم کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو گئے اور یوں طریقے اور مدرسے کو ایک اور جوان سال و جوان ہمت رکن حاصل ہو گیا۔ پھر چند سال بعد شاہ عبدالقادر نے مدرسین کی فہرست میں ایک اہم اضافہ کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد ان چاروں بھائیوں کے اخلاف شاہ الحق، شاہ یعقوب، شاہ اسماعیل، شاہ مخصوص اللہ، شاہ محمد موسیٰ اور شاہ عزیز کے بعض تلامذہ مثلاً مولوی رشید الدین نے مدرسے کے ایک ایک گوشے کو آباد کر کے تدریس کے جوہر دکھائے اور طالبانِ علوم دین کی تشنگی کو رفع کیا۔

مدرسے کا یہ دور اپنے ماقبل و مابعد کے ادوار سے براعتبار اور ہر پہلو سے ایک تاب ناک و روشن دور تھا۔ شاہ ولی اللہ نے درسِ قرآن کا جو سلسلہ شروع کیا تھا، اس کے قبول عام کا کوئی تاریخی ثبوت ہماری نظر سے نہیں گزرا مگر شاہ عبدالعزیز نے درسِ قرآن کا سلسلہ کچھ ایسے دل نشین و موثر اور سادہ و قابل فہم انداز سے چھیڑا کہ وہ طلبہ سے زیادہ عوام کی دلچسپی کی چیز بن گیا اور مدرسے کے ایک سبق کے بجائے مجلس کا موضوع ہو گیا۔ شاہ ولی اللہ کے دور میں مدرسے سے فتاویٰ کے اجراء کی مثالیں بہت کم ہیں مگر شاہ عبدالعزیز کے دور میں دہلی و بیرون دہلی کے زبانی و تحریری سوالات کا ایک تسلسل نظر آتا ہے اور فتاویٰ شاہ عبدالعزیز کے ضخیم مجلدات شاہ صاحب کی طرف ملک کے مسلمانوں کے رجوع کا پتہ دیتے ہیں۔ مدرسین کی تعداد بھی اس دور میں زیادہ رہی۔ شاہ عبدالعزیز شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالانوار، خواجہ محمد امین، بابا فضل اللہ، شاہ محمد عاشق، شاہ نور اللہ، مولوی عبدالحق بڑھانوی، شاہ محمد الحق، شاہ محمد یعقوب، شاہ محمد اسماعیل، شاہ مخصوص اللہ، شاہ محمد موسیٰ، مولوی رشید

الدین خاں وغیرہ وہ فخر روزگار مدرس ہیں جو مدرسے کے اس ۶۰ سالہ (۱۷۶۲ء-۱۸۲۳ء) دور  
زریں میں مختلف اوقات میں سرگرم افادہ درس رہے۔

اس دور کے مستفیدین و علائقہ مدرسہ کی تعداد ناقابل شمار ہے۔ جو ہزاروں طلبہ اور اوراق  
تاریخ میں جگہ پانے سے محروم رہ گئے، بان کو چھوڑ کر اگر صرف انہی حضرات کو شمار کیا جائے جن کے  
نام اور کام کو تاریخ کے حافظے نے محفوظ رکھا ہے تو بھی یہ تعداد ہزاروں تک پہنچے گی۔

شاہ عزیز جب ریح البیوا سیر کے عوارض کا شکار اور بصیر ہو گئے تو مدرسے کی صدارت سے  
شاہ رفیع الدین عہدہ برآ ہوئے اور جب ۱۸۱۷ء میں وہ رحلت فرما گئے تو شاہ اسحاق کی نوجوانی نے  
حوادث کی دعوت مبارزت کو لبیک کہا اور شاہ عزیز کی نگرانی کے سائے میں مدرسے کی خدمت انجام  
دی اور ۱۸۲۳ء کے بعد تو وہی تمام شعبوں میں مانا کے جانشین ثابت ہوئے۔

مدرسہ اس دور میں بھی ماسی جگہ (کلاں محل) رہا، البتہ ایک مدرس (شاہ عبدالقادر) نے  
اکبر آبادی مسجد کے حجرہ میں اقامت اختیار کر لی تھی، اس لیے طلبہ ان سے متعلق اسباق کے لیے  
اکبر آبادی مسجد میں حاضری دیا کرتے تھے۔

مدرسے کا تیسرا ادیب متاخرین خاندان کا دور ہے۔ اس دور میں مدرسے کی صدارت شاہ محمد  
اسحاق سے متعلق رہی، اس لیے کہ وہی شاہ عبدالعزیز کے نواسے ہوئے۔ کے علاوہ مسلم جانشین اور خلیفہ  
بھی تھے۔ اس دور کے مدرسین شاہ محمد یعقوب، شاہ مخصوص اللہ، شاہ محمد موسیٰ، مولوی رشید الدین خاں  
وغیرہ تھے۔ ولی الملہیوں کی یہ نژاد تو، نوع کے دینی و عقلی علوم کے مخلصین کی ایک باوقار جماعت  
تھی۔ اطراف و اکناف عالم کے طلبہ کا ہجوم اور پڑھانے والوں میں شفقت و رافت، محنت و جفاکشی  
نہ فراوانی، مدرسہ آباد و پندرہ رونق، دور دور مشہور و نیک نام نہ ہوتا تو کیوں نہ ہوتا! صدر المدرسین شاہ محمد  
اسحاق کا جو نظام الاوقات مورخین نے بیان کیا ہے اس سے مدرسے کے رنگ کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ لکھا  
ہے کہ شاہ اسحاق نماز صبح کے فوراً بعد گھر میں لڑکیوں کو پڑھاتے۔ پھر مدرسے میں آجاتے اور دوپہر تک  
صروف درس رہتے۔ دوپہر کے کھانے اور قیوں کے بعد نماز ظہر ادا کرتے اور پھر درس کا سلسلہ



شروع ہو جاتا جو نماز عصر کے علاوہ نماز مغرب تک جاری رہتا۔ نماز مغرب کے بعد اندرون خانہ تشریف لے جاتے مگر جلد واپس آ جاتے اور نماز عشا تک درس دیتے رہتے۔

شاہ ولی اللہ کے دور سے درس قرآن (وعظ) کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔ وہ اس دور میں بھی

اس شان سے جاری رہا۔ سرسید کا بیان ہے کہ<sup>۱۸</sup>

”میں شاہ اسحق کے وعظ میں حاضر ہوتا تھا۔ باہر مردوں کا ہجوم ہے زنانے میں

عورتیں جمع ہیں نہ ڈولیوں کا شمار ہوتا نہ پالکیوں کا، شاہی محلات کی بیگمات تک آتی

تھیں، امرا کے ہاں سے کھانے کے بکریں پک کر آتیں جو طلبہ اور عوام میں تقسیم ہو جاتیں

خود شاہ صاحب معمولی چپاتی اور شور بہ گاڑھے کے دسترخوان پر رکھ کر کھاتے۔“

مدرسے کے نصاب تعلیم میں بھی بہت سی تبدیلیاں ہوئیں ہیں۔

اس دور میں ایک اہم تغیر یہ ہوا کہ مقامات درس تقسیم ہو گئے، اصل اور قدیم مدرسہ واقع

کلاں محل جو اس زمانے میں جیسا کہ مولوی بشیر الدین وغیرہ نے لکھا ہے ”مدرسہ شاہ عبدالعزیز“

کہلاتا تھا، ایک بڑی حویلی کا ایک حصہ تھا اور دوسرا حصہ زنانہ کہلاتا تھا اور ورثاء شاہ عبدالرحیم و شاہ

ولی اللہ کی سکونت گاہ تھا، شاہ عزیز کے نواسے شاہ اسحق و شاہ یعقوب بھی اپنی والدہ کی حیات میں

یہیں سکونت پذیر تھے۔ شاہ اسحق کی والدہ کا وصال چونکہ اپنے والد (شاہ عزیز) کی حیات ہی میں

ہو گیا تھا، اس لیے شاہ عزیز نے اپنے ان دونوں نواسوں کی سکونت کے لیے ایک قطعہ زمین الگ

خرید کر اس پر وسیع عمارت تعمیر کرا دی۔ یہ دونوں بھائی اسی میں رہتے اور اسی میں درس دیا کرتے

تھے اس لیے یہ عمارت ”مدرسہ شاہ اسحق“ کہلانے لگی۔ اور شاہ اسحق ہی مدرسہ شاہ عبدالعزیز کے

صدر مدرس اور نگران تھے، اس لیے اس واقعہ کی تعبیر یوں بھی کی جاسکتی ہے کہ مدرسہ قدیم کا مقام

تبدیل ہو گیا اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ مقامات درس تقسیم ہو گئے کیوں کہ باقی اساتذہ (شاہ مخصوص

اللہ اور شاہ موسیٰ وغیرہ) قدیم مدرسے ہی میں پڑھاتے رہے تھے، جسے مدرسہ اسحاق کی تعمیر کے

بعد ”مدرسہ بہنہ“ بھی کہنے لگے تھے۔

موادق بشیر الدین واقعات دارالحکومت، دہلی میں ”مدرسہ شاہ عبدالعزیز“ کے عنوان سے، مدرسہ رحیمیہ یا مدرسہ کہنہ کا حال جدا تحریر کرنے کے بعد ”مدرسہ مولانا“ کا مختصراً صاحب کا عنوان قائم کر کے اس مدرسہ جدید کے متعلق لکھتے ہیں:

”جس وقت شاہ عبدالعزیز صاحب کی دختر نیک اختر یعنی شاہ محمد اسحق کی والدہ کا انتقال ہوا، حضرت کو خیال ہوا بھتیجیوں کے سامنے نواسے وارث نہ ہوں گے، اس لیے مولانا شاہ اسحق اور مولانا یعقوب دونوں بھائیوں کے لیے قطعہ زمین علیحدہ خرید کر اس میں عمدہ پختہ مکانات بنا دیئے اور انہی کے نام کر دیئے۔ چنانچہ مولانا صاحب چند سال ان مکانوں میں رہے اس کے بعد یک بیک خانہ کعبہ کا شوق پیدا ہوا، حج بہت اللہ کا ارادہ کیا اور تمام مکان اور اثاثہ بیچ کر ۱۲۵۶ھ میں مع اہل و عیال کے ہجرت فرما گئے۔ اب مدرسے میں چھوٹے چھوٹے مکانات بن گئے ہیں، چوبان کسان وغیرہ غریب لوگ رہتے ہیں، ایک چھوٹی سی مسجد آپ ہی کے نام سے مشہور ہے جس میں آپ نماز پڑھا کرتے تھے، اب چوں کہ یہ کل جائیداد رائے بہادر لالہ شیو پرشاد صاحب کی ہے اس لیے اس گلی پر ”مدرسہ رائے بہادر لالہ رام کشن داس“ کا تختہ لگا دیا گیا ہے۔“

واقعات دارالحکومت دہلی ص ۱۶۷ حصہ دوم۔

شاہ محمد اسحق کی ہجرت حرم (ذی قعدہ ۱۲۵۸ھ) پر اس مدرسے کی ۱۵۰ سالہ تاریخ کا اختتام ہو گیا، کیوں کہ شاہ مخصوص اللہ<sup>۹</sup> تو پہلے ہی مدرسے سے دست کش اور گوشہ نشین ہو گئے تھے اور شاہ محمد موسیٰ نے شاہ محمد اسحق کی ہجرت کے صرف ۹ ماہ بعد جب ۱۲۵۹ھ میں وصال فرمایا۔ مدرسے کا چوتھا دور ۱۳۰۸ھ میں شروع ہوا اور بہت جلد ختم بھی ہو گیا، یہ دور تجدید و احیاء مدرسہ کی ایک نیک دلانہ خواہش کا سر جوش تھا، اور صرف برائے نام کامیابی پر منتج ہو کر بہت جلد ختم ہو گیا۔

تھی وہ ایک در ماندہ رہ رو کی صدائے درد ناک

جس کو آواز ریل کارواں سمجھتی تھی میں

شاہ رفیع الدین کے نواسے مولوی سید ناصر الدین کے پوتے مولوی سید احمد نے بڑی بے سروسامانی کی حالت میں صرف ولولوں اور حوصلوں کے سہارے پر اپنے آبائی مدرسے کی تجدید کا عزم کیا تھا اور سروسامان سے محرومی، ذاتی اثرات کے فقدان، ایٹائے زمانہ کے عدم نودن اور حالات کی ناسازگاری کے ہاتھوں شاید مدرسے کی تجدید کے اعلانات سے بات آگے نہیں بڑھ سکی۔ مولوی سید احمد نے اپنے اسلاف کے رسائل و کتب کی اشاعت کے لیے ایک مکتبہ اور مطبع (دوکان اسلامیہ اور مطبع احمدی) جاری کیا۔ اسی مطبع سے شائع شدہ ایک کتاب (فیوض الحرمین) کے خاتمہ (۱۰۷-۱۰۸) میں پہلی بار اس مدرسے کی تعمیر نو اور تجدید کا اعلان کیا۔ اس اعلان سے اندازہ ہوتا ہے کہ مدرسے کی عمارت کے کچھ حصے کی تعمیر کرائی تھی مگر اصل کام۔ سلسلہ درس کا آغاز بھی نہیں ہوا تھا۔ یہ اعلان محرم ۱۳۰۸ھ (۱۸۹۰ء) میں کیا تھا، اس کے بعد کی مطبوعہ کتابوں کے خاتمے میں مدرسے کے آغاز کا اعلان اور اعانت کے لیے دعوت دی جاتی رہی مگر کوئی تفصیل کبھی نہیں آئی، یہاں تک کہ ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۳ء میں جب مولوی سید عبدالحی ان سے ملے ہیں تو مدرسہ باقی نہیں رہا تھا لکھتے ہیں: ”انہوں (سید احمد) نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ ان حضرات کی کتابیں شائع کی جائیں چنانچہ اکثر رسائل چھپوائے ہیں اور باقی چھپ رہے ہیں ایف پریس بھی قائم کیا ہے ابتداء میں خاص حضرت مولانا کے مدرسہ میں ایک مدرسہ بھی قائم کیا تھا، مگر ایٹائے زمانہ کی بے التفاتی سے وہ ٹوٹ گیا۔“

مولوی سید احمد نے مدرسے کا نام مدرسہ عزیزیت تجویز کیا تھا۔ مطبع کے نام کے ساتھ بالالتزام ”متعلق مدرسہ عزیزیت“ لکھا کرتے تھے، کہیں کہیں ”مدرسہ بہنہ شاد عبدالعزیز صاحب“ بھی لکھتے ہیں۔ ”کہنہ“ کی قید ”مدرسہ شاد الحق“ سے امتیاز کے لیے تھی۔

مدرسے کا نصاب شاہ عبدالرحیم سے لے کر شاد الحق کے عہد تک کیا رہا اور اس میں کس کس نے کیا تبدیلیاں کیں؟ تفصیل ملاحظہ ہو۔

## مدرسہ رحیمیہ کا نصاب تعلیم

مدرسہ رحیمیہ کے نصاب تعلیم کی تفصیل منضبط نہیں ہیں کہ کس کس دور میں کون کون سی کتابیں داخل درس رہیں؟ کب کس کتاب کا اضافہ کیا گیا؟ یہ اضافات کس کس نے کئے؟ کب کب کئے؟

شاہ ولی اللہ نے اپنا نصاب درس اس طرح درج کیا ہے

حدیث مشکوٰۃ، صحیح بخاری (تا کتاب الطہارت)

تفسیر بیضاوی (کچھ حصہ)

فقہ شرح وقایہ، ہدایہ

اصول فقہ، حسامی، توضیح و تلویح

منطق شرح شمسیہ (قطبی) شرع مطالع (کچھ حصہ)

کلام، شرح عقائد مع خیالی، شرح مواقف

سلوک، عوارف، رہنما، نقشبندیہ

حقائق، شرح رباعیات جامی، لوائح، مقدمہ نقد النصوص

خواص اسما و آیات، شاہ عبدالرحیم کا مولفہ رسالہ

طب، موجز القانون

حکمت، شرح ہدایۃ الحکمتہ وغیرہ

نحو، کافیہ و شرح ملا جامی

معانی، معلول، مختصر المعانی

ہندسہ و حساب، چند رسائل مختصرہ ۲۱

لیکن یہ فہرست صحیح اور کامل نہیں ہے، اور شاہ صاحب شاید بھول گئے تھے جو اس

فہرست میں زنجانی درج نہیں کی، شاہ محمد عاشق نے القول الجلی میں زنجانی کا بھی نام لیا ہے۔  
شاہ صاحب نے ایک جگہ ”وغیرہ“ اور ایک جگہ ”چند رسائل“ لکھا ہے۔ اس کے  
علاوہ انھوں نے حدیث کی قرآت و سماعت شیخ محمد افضل سرہندی سے کی تھی اور حجاز میں شیخ  
ابوطاہر مدنی وغیرہ سے جن جن کتابوں کی قرآت سماعت کی تھی ان کی تفصیل الارشاد الی  
مہمات الاسانید اور رسالہ شیخ سعید سنبل معروف بہ اوائل میں وغیرہ میں درج کی ہے۔

آخر عمر میں ان کی نظر میں موطا امام مالک کی اہمیت بڑھ گئی تھی اس طرح تفسیر  
جلالین کی افادیت بھی واضح ہو گئی تھی چنانچہ اپنے وصیت نامے<sup>۲۲</sup> میں ان کی تدریس کی  
وصیت کی ہے اس کے علاوہ انھوں نے اپنے وصال سے صرف تین سال قبل ۱۱۷۳ھ میں شیخ  
جبار اللہ بن عبدالرحیم من اہل فنجاب کو جو اجازہ دیا تھا اس میں الجزء اللطیف میں درج نصاب  
سے حسب ذیل کتابیں زائد ہیں۔

(۱) جلالین سورہ یونس سے سورہ کہف تک

(۲) صحیح مسلم

(۳) سنن ابی داؤد

(۴) جامع ترمذی

(۵) سنن نسائی

(۶) سنن ابن ماجہ

(۷) سنن دارمی

(۸) مسند احمد

(۹) شمائل ترمذی

(۱۰) المحسن الحصین

(۱۱) نخبۃ الفکر

(۱۲) شرح نخبۃ الفکر

(۱۳) کتاب الامم شیخ ابراہیم الکردی

(۱۴) عوارف المعارف

(۱۵) احیاء العلوم

نیز اپنی حسب ذیل تالیفات بھی درج کی ہیں:

(۱) المہدوی (شرح موطا)

(۲) الحجۃ اللہ البالغہ

(۳) الانصاف

(۴) عقد الجید

(۵) القول الجلیل

(۶) مسلمات

(۷) الحجۃ فی سلسلۃ الصحبۃ

(۸) الفوز الکبیر

اور ان آٹھ کتابوں کے بعد ”وغیرہ ذلک من کتبی“ تحریر کیا ہے۔

یہ صرف حدیث، اصول حدیث، تفسیر اور تصوف کی کتابوں کا ذکر تھا، دوسرے

فنون و کتب میں ترمیم و اضافے کی شدید ضرورت تھی کیوں کہ مندرجہ بالا نصاب<sup>۲۳</sup> تعلیم

ناکمل، ناقص اور ترمیم طلب تھا کئی فنون سرے سے غائب تھے مثلاً صرف، ادب، اصول

تفسیر، تاریخ، الہیات وغیرہ اور داخل نصاب میں بھی کتابوں کی تعداد مختصر<sup>۲۴</sup> اور ناکافی تھی

اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ خاندان رحیمی کا نصاب بہت جلد تبدیل ہو گیا اور تفسیر حدیث

کلام، تصوف وغیرہ میں نہ صرف شاہ ولی اللہ کی کتابیں داخل نصاب کی گئیں بلکہ دوسری مفید

کتب کا اضافہ بھی کیا گیا مثلاً سلوک و حقائق کی کتابوں کے متعلق شاہ عبدالعزیز کا ایک ملفوظ

ہے:  
 ”درس ہر علم این جا جدا بود چنانچہ طور درس تصوف بایں طور می آئیندم کہ اول لوائح بجائے  
 میزان بعدہ لمعات و شرح لمعات بعدہ درۃ فاخرہ تصنیف شاکر دہلوی الدین قونوی بعدہ فصوص  
 بعدہ فتوح الغیب ۲۴

”ہر علم کے درس کا طور یہاں (خاندان رحیمی میں) مدرسوں سے مختلف ہے، تصوف کے درس  
 کا طور یہ ہے کہ پہلے میزان کے بجائے لوائح اس کے بعد لمعات اور شرح لمعات اور شرح  
 درۃ فاخرہ جو دہلوی کے شاکر کی تصنیف ہے اس کے بعد فصوص اس کے بعد فتوح  
 الغیب ۲۵“

اس طرح ”فتون“ کی کتب میں بھی مزید اضافہ قرین قیاس ہے، ہم ابنا و احفاد شاہ  
 ولی اللہ کی فتون میں مہارت کا ذکر سنتے ہیں مثلاً شاہ رفیع الدین کی ریاضیات میں مہارت  
 کے متعلق شاہ عبدالعزیز کے کئی ملفوظ ہیں اور یہ جو شاہ عبدالعزیز نے ہدایۃ الحکمتہ اور  
 زواید ثلاثہ پر حواشی لکھے تھے تو یہ مہارت ”چند رسائل مختصر“ کی تعلیم سے تو پیدا نہیں ہوئی تھی  
 یقیناً عقلیات کے متون و شروع درس و مطالعہ میں رہے ہوں گے۔

ملفوظات شاہ عبدالعزیز سے نصاب درس میں ایک اور قابل قدر اضافہ کا پتہ  
 چلتا ہے یہ ہے عبرانی زبان اور تورات و انجیل کی تعلیم، شاہ صاحب نے فرمایا:

”فاضلے از اکابر علما آمدہ بود از و تحقیق تورات بزبان عبری می کردم

چنانچہ چند آیات اومع ترجمہ ارشاد فرمود ۲۶“

”اکابر علما میں سے ایک فاضل (دہلی) آیا تھا میں نے اس سے عبرانی زبان

میں تورات پڑھی چنانچہ تورات کی چند آیات اور ان کا ترجمہ سنایا۔“

اس کے بعد راوی نے وہ آیات بھی نقل کی ہیں اور انا جیل کے متعلق شاہ صاحب

کی رائے بھی نقل کی ہے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ ترمیم صرف شاہ صاحب کی ذات تک

محدود اور انھیں کے ساتھ مخصوص نہیں رہی تھی بلکہ اس کو نصاب درس کی ایک مستقل ترمیم کے طور پر مقبول کر لیا گیا تھا اور تعلیم اناجیل کو مدرسہ رحیمیہ کا نصاب کا ایک لازمی جز بنا دیا گیا تھا چنانچہ شاہ محمد اسحاق فرماتے ہیں۔ ہمارے خاندان کا قاعدہ ہے کہ وہ تفسیر سے پہلے تورات و انجیل و زبور پڑھا دیا کرتے تھے کیوں کہ بغیر ان کتابوں کے پڑھے قرآن شریف کا لطف ہی نہیں آتا اس قاعدے کے تعلق مجھے بھی یہ کتابیں پڑھانی گئیں اور اس لیے میں عیسائی مذہب سے ناواقف نہیں ہوں۔

مدرسہ رحیمیہ کے نصاب درس میں غیر منقطع سلسلہ اصلاح کے ترمیم کی ہی ایک کڑی شاہ عبدالعزیز کا وہ فتوایں جواز ہے جو انھوں نے انگریزی زبان کے حصول کے لیے دیا تھا اور انگریزی پڑھنا یعنی آئین خط کتابت و لغت و اصطلاح اس بارادار استنبا کے نیست (خط و کتابت زبان اور اصطلاحات کا جاننا بے ضرر ہے، مگر اس شرط کے ساتھ کہ نیت مباح ہو اور انگریزی کی خوشامد اور ان سے میل جھول بڑھانے کے لیے یہ کام نہ ہو)۔

### حواشی

۱۔ خاتمہ تاویل الاحادیث ص ۸۸ و حیات دلی ص ۲۳۰ واقعات دار الحکومت دہلی حصہ دوم ص ۵۹۰۔

۲۔ فتاویٰ شاہ عبدالعزیز میں شاہ غلام علی اور شاہ عزیز کی جو مراسلت درج ہے اس میں دونوں نے صرف ”مدرسہ“ کا لفظ لکھا ہے۔ شاہ غلام علی نے ”در مدرسہ ما فقیراں“ اور شاہ عبدالعزیز نے ”درین مدرسہ“ لکھا ہے، ص ۹۱ لغو ظات شاہ عبدالعزیز میں بھی ایک جگہ مولف نے لکھا ہے۔ ”بزبانہ رفتہ بمدرسہ آمدند“ ص ۸۴ شاہ ولی اللہ نے الجزء اللطیف میں صرف مدرسہ کا لفظ لکھا ہے۔ ص ۱۹۲

۳۔ تہذیبات البیہ جلد اول ص ۲۳۷۔

۴۔ حیات دلی (طبع اول) ص ۲۶۲

۵۔ ایضاً ص ۲۲۹

بہت سے لوگ کوئی وجہ اور سبب نہ ہونے کی بنا پر تہذیبوں میں نہیں آیا کرتے، مدرسہ کے بھی جانے کتنے طلبہ کے نام ایسے ہی ضبط ہونے سے رہ گئے۔ خود شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے کہ انھوں نے بخاری ”بقرأت بعض اصحاب پڑھی تھی، الجزء اللطیف ص ۱۹۳۔

۶۔ الجزء اللطیف (مع انفس العارفین) ص ۱۹۵ طبع احمدی دہلی۔



۷۔ حیاتِ دلی ص ۲۳۰

۸۔ خاتمہ تاویل الاحادیث ص ۸۸

۹۔ مقدمہ فتح الرحمن

۱۰۔ خاتمہ تاویل الاحادیث

۱۱۔ خاتمہ تاملہ ہندی از مولوی سید احمد، مطبع احمدی دہلی

۱۲۔ ملفوظات ص ۳۰۔

۱۳۔ شاہ صاحب کے تلامذہ کی قلت تعداد کا صرف یہ ایک سبب ہی نہیں ہے۔ اور بھی اسباب ہیں اولاً تو شاہ صاحب دہلی میں رہے مولف الروضۃ القومیہ نے (ان کے عہد شباب میں) لکھا ہے کہ آج کل پھلت میں رہتے ہیں وفات سے قبل بھی پھلت ہی میں جا رہے تھے۔

۱۴۔ گزشتہ صدی تک ہند یوں کو پرانی دلی اور شاہ جہاں آباد یعنی آج کی پرانی دلی کو نئی دلی کہتے تھے۔ ۱۹۱۲ء میں جب انگریزوں کی نئی دلی آباد ہوئی شاہ جہاں کی نئی دلی پرانی ہو گئی۔

۱۵۔ خاتمہ تاویل الاحادیث ص ۸۸

۱۶۔ واقعات دار الحکومت دہلی حصہ دوم ص ۱۷۳/۱۷۴

۱۷۔ خاتمہ فیوض الحرمین ص ۱۰۷

۱۸۔ آثار الصنادید

۱۹۔ سر سید احمد خان نے اپنی کتاب آثار الصنادید (تالیف ۱۲۶۳ھ/۱۸۴۶ء) میں لکھا تھا کہ ایک عرصہ ہوا سرشت تدریس ہاتھ سے دے کر گوشہ نشین ہو گئے ہیں۔ ایک عرصہ کا مطلب صرف ۵ سال بھی لیں تب بھی ۱۲۵۸ھ میں وہ گوشہ نشین ہو گئے ہوں گے۔

۲۰۔ دہلی اور اس کے اطراف ص ۶۶

۲۱۔ الجزء اللطیف

۲۲۔ الرسائل الوضیۃ فی الصحیۃ والوصیۃ مطبع احمدی سری رام پور ص ۷

۲۳۔ اس کے برعکس اسی عہد میں ملا نظام الدین فرنگی محلی (ف ۱۷۴۷ء) نے لکھتے ہیں جو نصاب مرتب کیا تھا وہ زیادہ حاوی و جامع تھا۔

۲۴۔ ملفوظات شاہ عبدالعزیز، مطبع مجبائی میرٹھ ۱۳۳۳ھ ص ۲۵

۲۵۔ ملفوظات، ص ۳۰ و ۶۲ ملفوظات ص ۲۷

۲۶۔ ارواحِ ثلاثہ ص ۱۱۳

۲۷۔ فتاویٰ شاہ عبدالعزیز ص ۱۱۰

## شاہ اہل اللہ

شاہ عبدالرحیم کا پہلا عقد سونی پت (پنجاب، بھارت) میں ہوا تھا اور دوسرا عقد باون سال کی عمر میں پھلت کے شیخ محمد صدیقی کی دختر فخر النساء سے ہوا۔ فخر النساء کے لطن سے دو صاحب زادے ہوئے: (۱) شاہ ولی اللہ (۲) شاہ اہل اللہ۔ شاہ ولی اللہ کو جو شہرت حاصل ہوئی وہ بجا طور پر اس کے مستحق تھے مگر شاہ اہل اللہ کو متعدد وجوہ سے وہ مقام حاصل نہ ہو سکا جس کے وہ مستحق تھے۔

شاہ اہل اللہ ۱۱۱۹ھ / ۱۷۰۸ع میں پھلت میں پیدا ہوئے، تحصیل علوم والد ماجد سے کی اور دینیات، عقلیات اور طب میں مقام حاصل کیا۔ ۱۲ سال کی عمر میں والد ماجد سے بیعت ہوئے اور اشغال طریقہ اخذ کئے اسی عمر میں اپنے والد کے مکاتیب کا ایک مجموعہ ”انفاس رحیمیہ“ مرتب کیا جسے والد نے دیکھا پسند کیا تھا۔ ۱۱۳۱ھ میں والد کے سائے سے محروم ہو گئے تو تحصیل و تربیت کی کمی کو اپنے بڑے بھائی سے رفع کیا اور تدریس و افتادہ میں مشغول ہو گئے۔

۱۱۳۳ھ میں جب شاہ ولی اللہ نے پہلی بار سفر حج کا ارادہ کیا ان کے سر پر خلافت کی دستار باندگی اور اجازت بیعت و ارشاد ان کو دی اور انھیں والد کا جانشین بنایا اور فرمایا جیسا خرقہ والد ماجد نے مجھے پہنایا تھا ایسا ہی میں انھیں پہناتا ہوں، متعلقین کو چاہیے کہ انھیں بجائے پدر بزرگ وار سمجھیں۔

تحصیل علوم سے فراغت کے بعد شاہ اہل اللہ نے باقاعدہ مطب کا سلسلہ شروع کیا، شاہ عبدالرحیم بھی طبیب تھے اور مطب کرتے تھے، شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں:

”ازہر علم بہرہ معتد بہ داشتند و ترک مناسبت بعض از فنون طبع ایشان رضائی داد و در طب حدس ایشان بغایت سلیم و رسا بود“<sup>۱</sup>

”ہر علم میں بڑی دست رس رکھتے تھے ان کو گوارا نہیں تھا کہ کسی بھی فن میں انہیں مناسبت نہ ہو، طب میں ان کی آرا بہت صحیح اور رسا ہوتی تھیں۔“

تشخیص مرض میں ان کی دراکی اور ملکہ کا ایک دلچسپ واقعہ بھی شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ سادات بارہہ کے کسی گاؤں میں آپ تشریف لے گئے تو آپ کو ایک بیمار کا قارورہ دکھایا گیا آپ نے صرف قارورہ دیکھ کر، نبض دیکھے اور سوالات کئے بغیر نسخہ تجویز کر دیا ایک ہندو طبیب نے جو وہاں موجود تھا سوال کیا کہ حضرت! تشخیص مرض بھی فرمائی ہے آپ نے مسکرا کر جواب دیا یہ ایک عورت کا قارورہ ہے جس کا یہ نام ہے یہ شکل و صورت ہے یہ اخلاق و عادات ہیں، یہ شکایات ہیں، اس کے علاوہ بھی اور بہت سے کام جو وہ کرتی تھی ہمیں معلوم ہیں، ہندو طبیب نے برکل سوال کیا یہ باتیں کس طبی کتاب میں لکھی ہیں؟ آپ نے فرمایا جی نہیں یہ طب نہیں ہے، یہ ہم غلامان محمد (ﷺ) کی فراست صادقہ ہے۔<sup>۲</sup>

شاہ اہل اللہ نے بھی فراغت کے بعد طب کا سلسلہ شروع کیا۔ شاہ عبدالعزیز کا

بیان ہے کہ

”حکمت ہم خاندان مامعمول بود چنانچہ جد بزرگ وارو عم فقیر می کردند“<sup>۳</sup>

ہمارے خاندان میں طب کا سلسلہ بھی تھا چنانچہ میرے جد بزرگ وار اور چچا بھی مطب کرتے تھے۔ ایک اور موقع پر فرمایا:

”عم من در طب مہارت کامل داشت

میرے چچا طب میں ماہر کامل تھے۔“<sup>۴</sup>

شاہ اہل اللہ ابتدا میں مطب میں زیادہ وقت نہیں دیتے تھے۔ ایک روز خواب میں دیکھا کہ ایک صاحب نے کہا مبارک ہو اللہ تعالیٰ نے تمہارے علاج سے شفا پائی ہے، اس جواب سے بہت خوش ہوئے اسی زمانے میں ایک دو درویشوں کے علاج کا بھی اتفاق ہوا تھا شاید اللہ تعالیٰ کی خوش نودی کا یہی باعث ہو حدیث قدسی میں مرضت فلم تعدنی کا مقتضا بھی یہی ہے، اس کے بعد خادموں کو ہدایت کر دی کہ کوئی بھی مریض کسی بھی وقت آئے مجھے ضرور اطلاع کر دیا کریں۔ ۶۔

شاہ صاحب دوسرے اطبا کی طرح مریضوں کے معالجہ کے لیے گھروں پر بھی بلائے جاتے تھے ایک بار ایک مریض کے گھر جاتے وقت اپنے بھتیجے شاہ عبدالعزیز کو بھی جو بچے تھے، لیتے گئے، مریض ایک ذاکر و شاعلم بزرگ تھے مرض موت سے دوچار تھے۔ غفلت طاری ہو چکی تھی مگر ہاتھ کی انگلیاں اس طرح ہلا رہے تھے جیسے ہاتھ میں تسبیح ہو اور ایک تسبیح ختم کر کے دوسری تسبیح شروع کرتے وقت جمی طرح ”امام“ کو درست کیا جاتا ہے شاہ صاحب نے حساب کیا تو ٹھیک سودا نے گننے کے بعد وہ امام کو درست کرتے تھے، شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ شاہ اہل اللہ فرمانے لگے کہ نیک کام کا محاورہ بڑے کام آتا ہے کہ بے مقصد اور بے ہوشی میں بھی وہ کام انجام دیتا ہے۔ ۷۔

اس طرح ایک اور ”وزٹ“ VISIT کا عجیب واقعہ شاہ عبدالعزیز نے ہی بیان فرمایا ہے کہ جس زمانے میں ہم لوگ پرانی دلی میں رہتے تھے کوچہ انبیا کے ایک سید صاحب کے ہاں ایک پوربن بڑھیا بیمار پڑھی تھی یہ بڑھیا سید صاحب کے ہاں ایک کینز کی حیثیت سے پٹی تھی ان پڑھی اور کبھی نماز کی ٹکر بھی نہیں مارتی تھی آخری وقت آیا تو پوربی لہجے میں چند ایسے الفاظ ادا کرنے لگی جو کسی کی سمجھ میں نہیں آتے تھے، چچا جان کو بلایا گیا آپ نے توجہ سے سنا تو کہہ رہی تھی لاتخافی و لاتحزنی آپ نے گھر والوں سے کہا اس سے یہ پوچھو یہ الفاظ کیوں کہہ رہی ہے بڑی مشکل سے بولی کہ کچھ لوگ کھڑے مجھ سے یہ الفاظ کہہ رہے

ہیں، پوچھا گیا کہ ان الفاظ کا مطلب کیا ہے بولی یہ تو میں نہیں جانتی پر میں کہتا ہے میری تسلی کے لیے کہہ رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ تو نے زندگی میں کوئی نیک کام نہیں کیا مگر ایک روز سردی کے موسم میں تو بازار سے گھی لے کر آئی اور اسے گرم کر کے چھانا تو اس میں سے ایک روپیہ نکلا پہلے تیری نیت یہ ہوئی کہ روپیہ ہضم کر لوں کیوں کہ کسی کو پتہ نہیں تھا مگر پھر اللہ کے خوف سے تو نے وہ روپیہ دکان دار دے لے جا کر واپس کر دیا بس تیری یہ ادا بھائی ہے۔

### پھلت میں

والد کے انتقال کے کچھ مدت بعد ہی شاہ اہل اللہ دہلی سے پھلت منتقل ہو گئے، دہلی سے ساٹھ میل کے فاصلے پر ضلع مظفر نگر کا ایک قریہ ہے جو شاہ صاحب کا تھیال بھی تھا اور مولد بھی، شاہ ولی اللہ بھی یہیں پیدا ہوئے تھے اور ابتدائی عمر میں ان کا قیام بھی پھلت ہی میں رہا تھا۔

شاہ اہل اللہ نے دہلی کا قیام ترک کر کے پھلت میں کیوں سکونت اختیار کی اس کا سبب معلوم نہیں مگر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ علمی دنیا میں جس مقام کے مستحق تھے وہ نہ پاسکے اور انہیں نہ صرف خاطر خواہ شہرت نہیں ملی بلکہ ان کے حالات پر بھی پردہ پڑ گیا اور چند سطروں سے زیادہ ان کے حالات یک جا نظر نہیں آتے اور یہ حالت آج نہیں ہوئی بلکہ آج سے سو سو سال پہلے اور شاہ صاحب کے وصال کے ٹھیک سو سال بعد ۱۲۸ھ میں اس خاندان کے ایک متوسل اور نیاز مند کو یہ لکھنا پڑا۔

”وکان لولی اللہ اخ یسمی اہل اللہ کان اہل اللہ و اہل

العلم بل لم یبلغنی خبرہ فوق ان له کتابا“

”شاہ ولی اللہ کے ایک بھائی اہل اللہ تھے جو ایک باخدا اور صاحب علم

بزرگ تھے مجھے ان کے حالات اس سے زیادہ نہیں معلوم کہ ان کی

ایک تصنیف ہے۔“

حال آں کہ اس کتاب میں اس خاندان کے دوسرے ارکان کے حالات کسی قدر تفصیل و وضاحت کے ساتھ درج ہیں۔

مولوی فقیر محمد جہلمی اس خاندان کے تلامذہ میں سے تھے۔ انہوں نے احناف کے تراجم پر مشتمل حدائق الحنفیہ لکھی تھی مگر شاہ اہل اللہ کے ذکر جمیل سے قاصر و محروم رہ گئے حال آں کہ شاہ ولی اللہ کے برعکس شاہ اہل اللہ کی حنفیت میں مجال کلام نہیں ہے بلکہ وہ مسلک امام اعظم کی حمایت و نصرت میں چاق و چوبند تھے اور اس ”جرم“ میں بہت سے ”اختیار“ نے انہیں نظر انداز کیا، خود اس خاندان کے ایک اہم رکن مولوی سید احمد ولی اللہی کو شاہ صاحب کی کتاب شائع کرتے وقت ان کا تعارف یوں کرانا پڑا:

”شاہ اہل اللہ بھی اسی خاندان کے ایک ذی علم اور با کمال شخص گزرے ہیں۔“<sup>۱۱</sup>

بہر حال شاہ اہل اللہ مستقلاً نھیال پھلت میں مقیم ہو گئے تھے وہاں ان کا ذریعہ معاش ممکن ہے جاگیر ہو، ان کے نھیال میں سلطان سکندر لودھی (ف ۱۵۱۶ء) کے وقت سے زمین داری چلی آتی تھی جو شاہ اہل اللہ کے نانا شیخ محمد پھلتی کے بزرگوں کو ملی تھی۔<sup>۱۲</sup> اس کے علاوہ خود ان کے دوھیال کو بھی جاگیر ملی ہوئی تھی۔ ۱۷۵۷ء میں جب احمد شاہ ابدالی نے دہلی پر پانچواں حملہ کیا تو ساری جاگیریں ضبط کر لی تھیں، شاہ ولی اللہ ایک خط میں لکھتے تھے۔

”التمغائے اکثرے ضبط شد الا التمغائے ایں جانب کہ دست خط

کردہ دادہ اند۔“<sup>۱۳</sup>

”بہت سوں کی جاگیروں کی اسناد ضبط کر لی ہیں ایک میری سندا اپنے دست خط کر کے واپس کر دی۔“

ایک زمانے میں شاہ ابوسعید رائے بریلوی نے یا ان کے توسط سے کسی اور صاحب نے شاہ صاحب کا وظیفہ مقرر کرویا تھا جس کے شکرے میں شاہ اہل اللہ نے لکھا

”ایں نیاز مندر از فکر معاش نجات بخسیدند“

”آپ نے مجھے فکر معاش سے نجات دلا دی ہے۔“ ۱۴

پھر دعا کے بعد لکھتے ہیں۔

”حسب الایما خط شکر گزاری بہ خان رفعت نشاں مرقوم شدہ“ ۱۵

آپ کے ارشاد کے مطابق خاں صاحب کو شکر یے کا خط لکھ دیا ہے۔

اس کے بعد ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں:

”احوال یومیہ از توجہ وجیہ صورت گرفتہ بفضل الہی تا حال جاری ست و نیاز مند

و دیگر کس و کو خود رطب اللسان شکر گزاری ست“

شاہ صاحب کا وصال ۱۱۸۶ھ میں پھلت میں ہوا اور وہیں درگاہ ۱۶ کے احاطے

کے باہر مدفون ہوئے۔

### تبرکات

شاہ اہل اللہ کے چند تبرکات اب تک پھلت میں ہیں (۱) موے مبارک، اس کا قصہ ۱۳ شاہ ولی اللہ نے یہ بیان کیا ہے کہ ایک بار بخار کے تسلسل سے میری (شاہ عبدالرحیم) حالت غیر ہو گئی ایک دن خواب میں نانا (شیخ عبدالعزیز شکر بار) نظر آئے اور فرمایا حضور ﷺ تشریف لارہے ہیں۔ پھر حضور ﷺ تشریف لے آئے اور فرمایا میرے بیٹے کیا حال ہے؟ میں اس شانِ شفقت اور زحمت عیادت کو دیکھ کر فرط طرب اور وجد میں ہو کر رونے لگا سرکار ﷺ نے مجھے اپنی آغوش میں لے لیا میرا چہرہ آپ ﷺ کے سینہ مبارک سے لگا ہوا تھا اور میرے اشکوں سے آپ ﷺ کا پیرا بن مبارک تر ہو گیا، جب یہ کیفیت کم ہوئی تو مجھے خیال آیا کہ کاش سرکار ﷺ مجھے موے مبارک عطا فرمادیں اس خیال سے آگاہ ہو کر آپ ﷺ نے ریش مبارک پر ہاتھ پھیرا اور دو موے مبارک مجھے عطا فرمائے، میں نے بیدار ہو کر وہ موے مبارک اپنے تکیے کے نیچے پائے، بخارا تر چکا تھا مگر کم زوری باقی تھی وہ بھی چند روز میں دور ہو گئی شاہ عبدالرحیم نے ان میں سے ایک موے مبارک شاہ ولی اللہ دیا

تھا اور دوسرا شاہ اہل اللہ کو، دہلی میں اس موے مبارک کی زیارت ہر سال ۱۸ ہوتی تھی، مولانا فضل رسول بدایونی کا بیان ہے کہ موے مبارک کا صندوق چھ گھر سے باہر شاہ اسماعیل اپنے سر پر اٹھا کر لاتے تھے۔<sup>۱۹</sup>

شاہ اہل اللہ کے حصے میں جو موے مبارک آیا تھا وہ اسے اپنے ساتھ بھلت لے گئے تھے اور وہ وہاں محفوظ ہے، لکڑی کا ایک صندوق ہے اس میں ایک شیشی ہے جس میں روئی کے اوپر موے مبارک رکھا ہوا ہے اہل بھلت کا بیان ہے کہ یہ صندوق شیشی اور روئی وہی ہیں جو شاہ اہل اللہ کے دور میں تھے۔

(۲) مصحف مبارک، خط طغریٰ میں ایک مصحف کلام مجید ہے جس کا عرض تقریباً دو اونچ اور طول تقریباً ۱۲/۱۵ فٹ ہے غالباً عبد شاہ جہاں گیر میں لکھا گیا ہے یہ مصحف شاہ اہل اللہ کو اپنے دو حیاں سے ملا تھا یا انھیال سے یہ معلوم نہ ہو سکا شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے کہ ان کے تانا شیخ محمد پھلتی پر شیخ آدم بنوری کے خلفا میں سے ایک بزرگ شیخ جلال بہت مہربان تھے۔ انھوں نے وصال کے وقت وصیت کی تھی کہ ان کا مصحف شیخ محمد کو دے دیا جائے۔ ممکن ہے یہی مصحف شیخ محمد سے ان کے نواسے شاہ اہل اللہ کو ورثے میں ملا ہو۔

(۳) نعل مبارک، لکڑی کی ایک طاق (صرف ایک پنچے کی) کھڑاؤں (غالباً دوسرا طاق شاہ ولی اللہ کے حصے میں آیا ہو) معلوم نہیں یہ کھڑاؤں کن ذات گرامی سے نسبت رکھتی ہے؟ اس کی تحقیق کا اتفاق نہیں ہوا۔

(۴) قدم شریف، اس کی بھی تفصیل حاصل کرنے کی توفیق نہیں ہوئی۔

شاہ اہل اللہ کا قیام (م سے م) آخری دور حیات میں بھلت میں رہا تھا اس لیے یہ تمکات شاہ اہل اللہ کے اخلاف کے قبضے میں ہونے کی بجائے شیخ محمد کے اخلاف کے قبضے میں ہیں۔

(۵) ایک مصحف کلام مجید قلمی جس پر حاشیے میں آیات و سورت کی شان نزول خاص طور پر



تحریر ہے، مولانا محمد حسین میرٹھی نے، مولانا محمد حسین نبیرہ شاہ رفیع الدین دہلوی کا نسخہ منشی فرحت اللہ صاحب سے حاصل کر کے شائع کر دیا، مقدمہ میں اس کا تذکرہ کر دیا ہے۔  
(مکتوب حکیم انیس احمد صدیقی بنام راقم الحروف)

### اخلاف

شاہ اہل اللہ کے دو صاحب زادے تھے (۱) شاہ مقرب اللہ جن کا عرف میاں بہلو تھا (۲) معظم اللہ جن کا عرف مولوی محمدی تھا معظم اللہ کا عقد فاطمہ بنت شیخ محمد فائق بن شاہ محمد عاشق سے ہوا تھا ان کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی، (۱) محمد مکرم (۲) محمد محتشم (۳) امۃ العزیز (لا ولد) ان میں سے محمد محتشم کا عقد امۃ الغفور بنت شاہ محمد اسحاق دہلوی سے ہوا تھا ان سے ایک بیٹے مولوی عبدالرحمن تھے، محمد محتشم شاہ محمد اسحاق کے ساتھ مکہ معظمہ ہجرت کر گئے تھے مولوی عبدالرحمن سے مکہ معظمہ میں مولانا عبید اللہ سندھی کی ملاقات ہوئی تھی مولانا سندھی نے انہی سے شاہ ولی اللہ کی کتاب المستوی شرح موطا کا مسودہ حاصل کر کے مکہ معظمہ ہی میں طبع کروایا تھا۔

### تالیفات

(۱) انفاس رحیمی: شاہ صاحب کی پہلی تالیف ہے یہ ان کے والد شاہ عبدالرحیم کے خطوط کا مجموعہ ہے جو ۱۱۳۱ھ سے پہلے مرتب کر لیا گیا تھا اور والد کی نظر سے بھی گزر گیا تھا۔ یہ مجموعہ احمدی دہلی اور مطبع مجتہائی دہلی سے کئی بار شائع ہو چکا ہے۔

(۲) تخریج احادیث ہدایہ:

محسن ترہتی الیانع الجنی میں لکھتے ہیں:

”وكان لولي الله اخ يسمي الشيخ اهل الله كان اهل الله واهل العلم بل لم يبلغني من خبره فوق ان له كتاباً لطيفاً في تخریج احادیث الهدایہ رائت وله الابواب الاربعة مختصره فيه كلمات جامعہ بكثر نفعها“<sup>۱</sup>

”شاہ ولی اللہ کے ایک بھائی بھی تھے جن کا نام اہل اللہ تھا وہ اہل اللہ بھی تھے اور صاحب علم

بھی مجھے ان کے حالات کا اس سے زیادہ پتہ نہیں کہ انہوں نے ایک نفس کتاب لکھی ہے جس میں ہدایہ کی احادیث کی تخریج کی ہے میں نے اس کتاب کو دیکھا ہے یہ ایک مختصر کتاب چہار باب ہے اس میں جامع کلمات ہیں جن کے بہت سے فوائد ہیں۔“

الیانہ الجنی کے علاوہ اس کتاب کا اور کہیں تذکرہ دیکھنے میں نہیں آیا بہر حال تہتی نے دیکھی ہے اس لیے کتاب کے وجود میں شک ہی نہیں ہے۔

(۴) تلخیص ہدایہ

یہ اس مشہور کتاب کا خلاصہ ہے، خلاصہ اس طرح کیا ہے کہ فقہاء کے مناقشات سے حتیٰ کہ صاحبین و امام اعظم کے اختلافات تک کا ذکر نہیں کیا صرف امام اعظم کے مسلک فقہی کو پیش کر دیا ہے اور اس کی تائید میں صحاح ستہ اور مستدرک حاکم کی احادیث نقل کی ہیں ان کی کتاب کا ایک مخطوطہ مولوی عبدالرشید مرحوم ابن مولانا یسین صاحب رائے بریلی کے پاس تھا اس کی خصوصیت یہ تھی کہ یہ ملا عبدالقیوم محدث بڑھانوی کے ہاتھ لکھا ہوا تھا، مولوی عبدالرشید کا بیان ہے کہ اس کتاب کا ایک مخطوطہ نواب حبیب الرحمن صاحب شروانی اور ایک مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ میں اور ایک مخطوطہ مولانا عبدالعزیز مبینی کے ذخیرے میں ہے۔

(۵) اصول فقہ

ایک مختصر و مفید رسالہ ہے جو مولوی عبدالرشید مرحوم کے ذخیرے میں تھا، یہ رسالہ ان کے والد مولانا محمد یاسین نے بنگلور میں ایک قلمی رسالے سے نقل کیا تھا۔<sup>۲۲</sup>

(۶) تفسیر قرآن

شاہ صاحب کی اس تفسیر کے دو مخطوطے عربی فارسی ریرج انسٹی ٹیوٹ راجستھان ٹونک میں ہیں۔

(۱) نمبر ۱۹۸۱، اوراق ۱۲۶، سائز ۱۶x۲۳، زبان عربی

(۲) نمبر ۱۳۲/۲، اوراق ۱۲۲، زبان عربی<sup>۲۳</sup>

## (۷) چہار باب

فارسی میں چار ابواب پر مشتمل ایک مفید رسالہ باب اول عقائد باب دوم اعمال باب سوم فضائل اعمال باب چہارم نصح۔ یہ رسالہ پہلی بار ۱۲۵۸ھ میں مطبع مصطفائی لکھنؤ سے شائع ہوا تھا پھر متعدد بار شائع ہو چکا ہے۔

## (۸) کنز الدقائق کا فارسی ترجمہ:

شاہ صاحب نے فقہ حنفی کی اس معتبر کتاب کا فارسی میں ترجمہ کیا تھا، یہ ترجمہ تو اب تک طبع نہیں ہوا لیکن مولانا محمد احسن نانوتوی نے اس کا فارسی سے اردو میں ترجمہ کر کے احسن المسائل کے نام سے شائع کیا تھا جو مطبع صدیقی بریلی سے ۱۲۸۳ھ میں شائع ہوا تھا پھر مطبع مجبائی دہلی سے نظر ثانی شدہ ترجمہ اور مطبع قیومی کان پور سے ۱۹۱۹ء میں تیسری بار شائع ہوا۔<sup>۲۳</sup>

## (۹) ترجمہ موجز القانون:

شاہ صاحب نے طب کی معروف درسی کتاب موجز القانون کا فارسی ترجمہ کیا تھا اور کئی ضروری مسائل جو مصنف (ابن سینا) سے رہ گئے تھے ان کا اضافہ بھی کیا، کتاب کا مخطوطہ اجمل طبی کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے کتب خانے میں ہے۔

## (۱۰) تکملہ یونانی، تکملہ ہندی

ترجمہ موجز کے دو تکملے بھی شاہ صاحب نے اضافہ کئے ہیں۔ تکملہ یونانی، تکملہ ہندی، فرماتے ہیں کہ موجز کے ترجمہ فارسی سے فراغت کے بعد میں نے سوچا کہ سخن ہائے یونانی کو بھی جمع کر دوں۔ اس طرح تکملہ ہندی کے آغاز میں فرماتے ہیں میں نے سوچا ادویہ ہندی بھی مرتب کر دوں۔ مولوی سید احمد نے اپنے مطبع احمدی سے دونوں تکملے شائع کر دیئے تھے۔

(۱۱) فوائد: بقول شاہ محمد عاشق اس رسالے میں معارف طریقت اور اسرار حقیقت بیان کئے گئے ہیں (القول الجلی)۔

(۱۲) قصیدہ: فارسی میں حضور اکرم ﷺ کے معجزات پر ایک طویل نظم (القول الجلی)

(۱۳) عقائد: عقائد پر ایک منظوم رسالہ (القول الجلی)

آخر میں شاہ صاحب کے چند نصائح ملاحظہ فرمائیں، یہ نصائح ان کی کتاب چہار باب کے باب چہارم سے نقل کئے گئے ہیں۔

”زندگانی چند روز ہست، بدانند کہ آخر گزشتنی است، از بہر دنیا با کسے عداوت نگیرند و کسے راعیب نکلند و بدگویند خصوصاً عیوب یک فرقہ خاص را علانیہ ذکر نکلند و تا تو انند بر کسے حسد نیرند و دروغ بے فائدہ بر زبان نیاورند و سخن بد کسے بہ کسے نرسانند و خود را از بخل و جبن تا تو انند پاک گردانند و بر آنچه رضائے اللہ تعالیٰ است راضی باشند و خود را بزرگ تریں و کلاں شمارند و فخر و نخوت را در دل راہ نہ بند و تا تو انند در اصلاح عالم بکوشند و در، بیچ کس نقیض و فساد نیندازند در اکل حلال و صدق مقالہ و استقامت احوال سعی کئی نمایند کہ سر جمیع طاعات و رئیس جملہ عبادات است و از کلمہ الحمد در حق خویش و بیگانہ باز نمانند و بر امر معروف و نہی عن المنکر سعی بلین گمارند و اگر نتوانند بدل ناخوش دارند و خود مر تکب آن نشوند“

(نصیحت نمبر ۴)

”دنیوی زندگی چند دن کی ہے خیال رکھیں کہ یہ آخر گزر جائے گی دنیا کے لیے کسی سے عداوت اور دشمنی نہ رکھیں اور کسی کا عیب نہ بیان کریں خصوصاً کسی خاص فرقتے کا عیب بھری محفل میں نہ کہیں کسی سے حسد نہ کریں بے ضرورت غلط بات نہ کہیں، کسی کی راز کی بات کسی اور سے نہ کہیں جہاں تک ہو سکے خود کو کنجوسی اور بزدلی سے بچائیں اللہ تعالیٰ کی جو مرضی ہو اس پر راضی رہیں خود کو بڑا نہ سمجھیں فخر اور نخوت کو دل میں جگہ نہ دیں جہاں تک ہو سکے اپنی اصلاح کی کوشش کرتے رہیں کسی کو کسی سے نہ لڑائیں۔ اکل حلال، بیچ بولنے اور راست روی کی پوری کوشش کریں اس لیے کہ یہی روح طاعات اور اصل عبادات ہے اپنے اور پرانے کے حق میں کلمہ خیر کہنے سے باز نہ رہیں اور اچھی باتوں پر افسانے اور بری باتوں پر نوکنے کی

پوری کوشش کریں اور اگر یہ نہ کر سکیں تو کم سے کم برائی کو برائی سمجھتے رہیں اور کم سے کم خود ان برائیوں سے بچتے رہیں۔“

”ایام حیات و صحت خود را نعمت شمارند بغیر ضرورت تمام در مہلکہ نیفتند اگر مریض شوند پیش طبیب حاذق بردند و اختیار در دست او بند و در تدبیر و دواء و غذا، مخالفت نمایند و بے حضور خطائے فاحش طبیب دیگر نہ طلبند“

(نصیحت نمبر ۱۱)

”اپنی زندگی اور تندرستی کو نعمت سمجھیں بغیر شدید ضرورت کے خطرے میں خود کو نہ ڈالیں، بیمار پڑیں تو تجربہ کار طبیب کے پاس جائیں اور اسی کے کہنے پر چلیں اور پرہیز اور دوا کے بارے میں اس کی ہدایت کی خلاف ورزی نہ کریں اور جب تک اپنے معالج سے کوئی بڑی غلطی نہ ہو جائے معالج نہ بدلیں۔“

”در شادی و غم و غصہ چتاں فعلے نکتہ کہ بارد دیگر ندامت آں کشند و در وقت غضب عمان خود بگیرند چتاں حرف سخت نہ گویند کہ اگر با ہم موافقت شود نجلت از اں کشند“

(نصیحت نمبر ۱۸)

”خوشی، رنج اور غصے کی حالت میں کوئی ایسا کام نہ کریں کہ دوسری بار اس کی شرمندگی اٹھانی پڑے اور غصے میں خود پر قابو رکھیں مقابل سے وائے ایسی بات نہ کہیں کہ صلح ہو جائے تو شرمندگی ہو۔“

”در غنائے وافر و فقر مفرط تا تو اتند از اخلاق قدیم خود برنگردند و بر دولت خود چنداں نمازند و از غربت و فقر خویش چنداں نتانند، کہ نردوان گرداں است و جہان جہاں۔“

رنج و راحت گیتی مرزجاں دل مشو

کہ آئین جہاں گاہے چیش گاہے چناں باشد

(نصیحت ۲۵)

دولت کی ریل پیل میں اور تنگ دستی میں جہاں تک بس چلے اپنے پہلی کی عادات و اطوار میں فرق نہ آنے دیں نہ اپنی دولت پر اترا میں نہ فقر میں اضافہ سے پست ہمت ہوں کہ آسمان گردش میں رہتا ہے اور زمانے میں انقلاب آتے رہتے ہیں۔

”رعایت آداب گفت و شنید و نشست و برخاست ہر جا و ہر مکان ضرور و لازم است خصوصاً در مجالس عامہ کہ در مرغی داشتن آں جہد بلیغ نمایند و محافظت تمام کنند کہ بیچ کس سخن بے جا و حرکت لغو سرزد نشود و در بیچ امرے مخالفت اہل مجلس رواند ارند و رعایت مرضی رئیس آں را از اہم ضروریات شمارند، و اگر خود سالار مجلس باشند باحوال ہر کس موافق قدر او در تعظیم و تکریم رعایت کنند و بر ملاحظہ فرمائید و فعلی نسا زند کہ بر بیچ کس اور رئیس و خیس گراں افتد“

(نصیحت ۱۷)

”ہر جگہ اور ہر مقام کے باہم گفت و شنید نشست و برخاست کے آداب کا لحاظ ضرور کریں، خصوصاً عام مجلسوں میں ان باتوں کا لحاظ شدید ضروری ہے اور اس کا خاص خیال رکھیں کہ کسی شخص سے کوئی بیہودہ اور بری بات سرزد نہ ہونے پائے اور کسی بات میں شرکائے محفل کے مزاج کا خلاف کام نہ کریں اور صدر بزم کی خاطر داری کو اہم ترین ضرور سمجھیں اور اگر خود سر محفل ہوں تو ہر شخص کی طبیعت کے مطابق اس کی تعظیم و تکریم کا لحاظ رکھیں اور بے تامل کوئی ایسی بات نہ کہیں نہ کوئی ایسا کام کریں جو محفل کے خواص و عوام پر گراں گزرے۔“

”عقل و کیاست و فہم و فراست ہر چند امر جنلی است اما بکثرت تجربہ و صحبت عقلاء کسب علوم عقلیہ و استماع قصص و نصائح می افزاند پس باید کہ چنان گوشند کہ ہر روز قوائے عقلیہ خود را قوی می کردہ باشند و خود را متکلیف و فکر از عقلاء بردانند و در زمرہ سفہاء نگزارند“

(نصیحت ۵)

”عقل، ہونیا ری اور سمجھ بوجھ اگرچہ پیدا شی جو ہر ہیں لیکن یہ تجربات کی کثرت،

عقل مندوں کی صحبت اور علوم عقلیہ (منطق و فلسفہ) حاصل کرنے سے ترقی کر سکتے ہیں اور اس کو چاہیے کہ کوشش کرے کہ قوائے عقلیہ روز بروز ترقی کرتے جائیں اور کوشش اور چینک سے خود کو عقل مندوں میں شامل کرنا چاہیے، نا سمجھوں بدھموں کے رُوہ میں شمار ہونے سے بچنا چاہیے۔“

## حواشی

۱۔ القول الجلی، ص ۵۲۳

۲۔ بوارق الوائیت (انفاس العارفين) ص ۸۳ مطبع احمدی دہلی

۳۔ ایضاً ص ۸۵

۴۔ مخطوطات عزیز، ص ۲۲ مطبع مجتہبی میرٹھ ۱۳۱۲ھ

۵۔ ایضاً ص ۴۳

۶۔ القول الجلی، ص ۲۲

۷۔ مخطوطات عزیز، ص ۱۳

۸۔ ایضاً ص ۱۳

۹۔ وہ کمرہ جس میں شاہ ولی اللہ کی ولادت ہوئی تھی ماضی قریب تک محفوظ و متنزل تھا سناں میں ایک بار آٹھواں جاتا تھا ہم نے ۱۹۴۳ء اور ۱۹۵۱ء میں اس کی زیارت کی تھی۔

۱۰۔ الیابغ الجنبی (محسن تربیتی) ص ۹۴

۱۱۔ تملہ بندی، ص ۶۸

۱۲۔ بوارق، ص ۳۵۸

۱۳۔ شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، ص ۳۱

۱۴۔ شاہ ابو سعید رائے بریلوی

۱۵۔ ماہنامہ الفرقان لکھنؤ جون ۱۹۶۵ء

۱۶۔ ”درگاہ“ ایک احاطے کا نام تھا جس میں چار مزار ہیں ایک شاہ محمد شق کا دوسرا شاہ محمد فائق کا، تیسرا بقول عام شاہ محمد عمر بن شاہ اہل اللہ کا جو تھے کے متعلق معلومات حاصل نہیں ہو سکیں۔

۱۷۔ انفاس العارفين، ص ۳۰ والدرائشمن، ص ۶

- ۱۸ القول الخلی من ۷۳
- ۱۹ البیارق الحمدیہ من ۱۰۶
- ۲۰ حکیم انیس احمد صدیقی (بہجت) کا بیان ہے کہ طول تقریباً ۷۷ ہے۔
- ۲۱ الیاقع الختلی من ۹۳
- ۲۲ کتب خانہ سعیدیہ ٹونک، معارف اعظم ٹرڈ جلد ۶۱ شمارہ ۲
- ۲۳ خزینہ منطوطات جلد اول، مولانا محمد عمران خان
- ۲۴ ”مولانا محمد حسن نانوتوی“ از پروفیسر ڈاکٹر محمد ایوب قادری کراچی ۱۹۶۱ء



## شاہ محمد عاشق پھلتی

شاہ ولی اللہ کے خلیفہ اعظم

شاہ محمد عاشق کے شاہ ولی اللہ سے کئی رشتے اور تعلق تھے۔ وہ شاہ صاحب کے میرے بھائی، نسبتی بھائی، سہمی، رفیق طفلی، شریک درس، شاگرد، مسرت اور خلیفہ تھے۔ شاہ محمد عاشق کے والد شیخ عبید اللہ تھے جو شاہ ولی اللہ کے سر تھے اور دادا شیخ محمد تھے وہ شاہ عبدالرحیم کے سر تھے۔ شاہ ولی اللہ نے اپنے نانا شیخ محمد کے حالات پر ایک رسالہ العطبہ - الصمدیہ فی انفاس الحمد یہ لکھا ہے جو ان کی کتاب انفاس العارفین کے ابواب میں سے ایک ہے (۱۶۹-۱۷۸ مطبع احمدی دہلی) یہی کتاب شاہ محمد عاشق کے اسلاف کے متعلق ہمارا واحد ماخذ ہے۔ اخلاف کے متعلق ہم اس خاندان کے موجودہ ارکان کی زبانی روایات اور جس کتابی ماخذ کی بنا پر جو کچھ بیان کریں گے بر محل حوالہ دیں گے۔

شاہ محمد عاشق کے اسلاف نسلاً صدیقی تھے اور کسی زمانے میں حجاز سے بر عظیم کے علاقے پورب میں بلدہ سدھور میں مقیم ہو گئے تھے ان میں سے ایک بزرگ شیخ احمد بن یوسف کی رسائی سلطان سکندر لودھی (ف ۱۵۱۶ء) کے دربار تک ہوئی اور سادات بارہہ کے علاقے میں چند گاؤں جاگیریں ملیں تو یہ خاندان پورب سے نواح دہلی میں منتقل ہو گیا اور پھلتی مرکز قرار پایا جو یوپی کے ضلع مظفر قمر قصبہ کھتولی کا ایک قریہ ہے اور دہلی سے اس کی مسافت ساٹھ میل ہے۔

### شیخ محمد

شیخ احمد یوسف کے بھائی شیخ محمود کی پانچویں پشت میں محمد عاقل بن ابی الفضل بن ابی اسحاق بن شیخ فرید بن محمود بن یوسف آید عالم اور صاحب دل بزرگ تھے ان کے بڑے صاحب زادے کا نام شیخ محمد تھا۔ شیخ محمد نے ابتدائی تعلیم گد میں حاصل کرنے کے بعد مزید تعلیم حاصل

کرنے کے لیے دہلی کا رخ کیا اور شاہ ابوالرضا محمد (ف ۱۱۰۰ھ) سے کچھ دن مستفید ہوئے اور پھر شاہ عبدالرحیم کے دامان کمال و ارشاد سے وابستہ ہو گئے اور آخر تحصیل علوم اور تربیت باطن سے فراغت حاصل کی اس کے بعد ایک طویل سفر پر روانہ ہو گئے اور مختلف و متعدد ممالک اسلامیہ کا سفر کر کے وطن واپس ہوئے اور درس و ارشاد میں صرف اوقات کرنے لگے ۱۱۲۵ھ میں مہلت میں وفات پائی۔

آپ کی ایک صاحب زادی اور دو صاحب زادے تھے صاحب زادی کا نام فخر النساء تھا اور وہ شاہ عبدالرحیم کی دوسری اہلیہ اور شاہ ولی اللہ کی والدہ تھیں، شاہ عبدالرحیم نے ایک بشارت کی بنا پر جب باون سال کی عمر میں دوسرا عقد کرنا چاہا اور شیخ محمد کو اس بشارت اور ارادے کا علم ہوا تو انہوں نے اپنی لخت جگر کی پیش کش کی اور شاہ صاحب کا عقد ہو گیا۔ بشارت کے مطابق ان کے بطن سے شاہ ولی اللہ اور شاہ اہل اللہ جیسے نام و در صاحب کمال فرزند پیدا ہوئے۔

شیخ محمد کے دو صاحب زادے تھے شیخ عبید اللہ اور شیخ حبیب اللہ۔

### شیخ عبید اللہ

شیخ محمد کا بیان ہے کہ ایک روز باری تعالیٰ نے ایک شناسا کی شکل میں تجلی فرمائی جو گویا ایک بچے کی انگلی پکڑے ہوئے میری طرف آ رہا ہے اور میرے قریب آ کر فرمایا محمد! یہ بچہ تیرے گھر میں پیدا کرتا ہوں میں نے عرض کیا اے اللہ تیری مخلوق ہے جس گھر میں چاہے پیدا فرما۔ اس کے چند دن بعد شیخ عبید اللہ کی ولادت ہوئی، شیخ عبید اللہ نے اپنے والد سے تحصیل علوم کی اور ۱۱۲۳ھ میں جب شاہ ولی اللہ نے سفر حجاز کیا تو یہ بھی ان کے ساتھ تھے اور شاہ صاحب نے جن جن شیوخ حجاز سے استفادہ کیا شیخ عبید اللہ بھی ان کے ساتھ تھے چنانچہ شیخ ابوطاہر بن ابراہیم کر دی نے شاہ صاحب کو صحیح بخاری کی جو سند عطا فرمائی تھی اس میں شیخ عبید اللہ کا بھی نام درج تھا۔ ۱۱۳۵ھ میں حج و زیارت کے بعد وطن واپس ہوئے اور ۱۱۵۰ھ میں وصال فرمایا، شیخ عبید اللہ کے ایک صاحب زادے شاہ محمد عاشق اور ایک صاحب زادی فاطمہ تھیں فاطمہ سے شاہ ولی اللہ کی شادی ہوئی تھی جن سے ایک صاحب زادے شاہ محمد اور دو صاحب زادیاں امۃ العزیز اور صالحہ ہوئیں۔

## شاہ محمد عاشق

ولادت ۱۱۱۰ھ ستر آن مجید اور نصاب صبیاں اپنے نانا شیخ عبدالوہاب سے پڑھا میزان  
الصرف اور نصف بوستان سعدی اپنے دادا شیخ محمد سے پڑھیں پھر معقول و منقول کی عام درسی  
کتابیں شرح مواقف تک اپنے والد شیخ عبداللہ سے پڑھیں البتہ کافیہ اور شرح ملا جامی اپنے چچا شیخ  
حبیب اللہ سے پڑھیں پھر دہلی پہنچے اور شاہ ولی اللہ سے شرح تجرید مع حاشیہ قدیمہ و شمس بازغہ و محکم  
الاصول، افق المبین اور کسی قدر صحیح مسلم کا درس لیا، صحیح بخاری اور داری کا درس مکہ معظمہ میں لیا۔

دہلی میں شاہ صاحب کا گھرانہ ان کے لیے اجنبی نہیں تھا، شاہ عبدالرحیم کی اہلیہ ان کی  
پھوپھی اور شاہ ولی اللہ کی اہلیہ ان کی چیتی بہن تھیں شاہ محمد عاشق اگرچہ شاہ ولی اللہ سے چار سال  
بڑے تھے مگر دونوں میں باہم محبت تھی، شاہ عبدالرحیم اس محبت سے بہت خوش تھے۔

”روزے در او خرایام خود بایں فقیر و صلاح آثار محمد عاشق اشارت کرد فرمودند کہ بایک  
دگر بسیار دوستی دارند و ایں دوستی سبب ابہتاج و سرور من می شود و سر ایں کلمہ من بعد بظہور پیوست کہ ایں  
عزیز بایں فقیر ارتباط طریقہ پیدا کردہ منتفع شد و امید است کہ ایں دوستی مشرف نوائد بسیار باشد“

”شاہ عبدالرحیم نے اپنی زندگی کی آخری دنوں میں ایک بار میری اور محمد عاشق کی طرف  
اشارہ کر کے فرمایا کہ ان دونوں کی آپس میں گہری دوستی ہے اور اس دوستی سے مجھے بہت خوشی ہوتی  
ہے، والد مرحوم کی اس بات کا راز بعد میں کھلا کہ محمد عاشق نے خاکسار سے بیعت کی اور نفع حاصل کیا  
امید ہے کہ یہ دوستی بہت سے فوائد پر منتج ہوگی۔“

شاہ ولی اللہ جب ۱۱۴۳ھ میں حج و زیارت کے لیے روانہ ہوئے تو شاہ محمد عاشق اور ان  
کے والد شیخ عبید اللہ بھی ہم راہ تھے۔ چنانچہ شیخ ابوطاہر کردی نے روایت حدیث کا جو اجازہ  
۲۲ رجب ۱۱۴۳ھ کو لکھ کر دیا تھا اس میں لکھتے ہیں:

وکان ختمہ بحضور جماعۃ من الفضلاء منہم خالہ المراقب فی اللہ  
الشیخ عبید اللہ وابن خالہ المذكور الاریب مرآة کمالہ و خدین جمیل خصالہ  
الذی لم یزل لسانہ بذكرہ اللہ الوائق بالصمد الخالق مولانا محمد عاشق صانہ

اللہ من البوائق ورفاه اللہ علی مراتب الکمال و صرف عنہ کل فائق.....  
 وسمع علی الامم.....

.....بقراءة ابن خالہ الشیخ محمد عاشق.....

...اجزت لسیدنا الشیخ ولی اللہ المذكور وخالہ و ابن خالہ

المجدین فی اعلیٰ السور

صحیح بخاری کی قرآت وسماعت کا ختم کئی فضلاء کے سامنے ہوا جن میں سے ایک شاہ صاحب کے ماموں شیخ عبید اللہ اور شیخ عبید اللہ کے صاحب زادے مولانا محمد عاشق بھی ہیں۔  
 شاہ صاحب نے مجھ سے میرے والد کا مثبت الامم سنا کتاب کی قرآت ان کے میرے بھائی شیخ محمد عاشق نے کی۔

میں نے شاہ صاحب، ان کے ماموں اور میرے بھائی کو روایت حدیث کی اجازت دی۔  
 اخذ فیض، حصول اجازت ادا کے فریضہ حج اور سعادت زیارت سے شرف اندوز ہونے کے بعد یہ کارواں فضل و تقویٰ دیار نبی سے رخصت ہو کر ۱۲ رجب ۱۱۳۵ھ کو دہلی پہنچا۔

شاہ محمد عاشق کا وصال ۱۱۸۷ھ<sup>۱</sup> میں ہوا مزار بھلت میں ایک احاطے کے اندر ہے جو خانقاہ شاہ محمد عاشق کہلاتا ہے اس میں چار مزار ہیں:

(۱) شاہ محمد عاشق

(۲) شاہ عبدالرحیم فائق

(۳) تیسرا مزار شاہ محمد عمر بن شاہ اہل اللہ کا بتایا گیا ہے، شاہ اہل اللہ کے محمد عمر نام کے کوئی فرزند نہیں تھے۔

(۴) چوتھے مزار کی تحقیق نہیں ہو سکی۔

### اخلاف

شاہ محمد عاشق کے دو صاحب زادے اور ایک لڑکی ذاکرہ تھیں۔ شاہ عبدالرحمن شاہ عبدالرحیم فائق۔

شاہ عبدالرحمن بڑے صاحب زادے تھے خیال ہے کہ انہوں نے اپنے والد کے علاوہ شاہ ولی اللہ سے بھی تحصیل علم کی ہوگی شاہ ولی اللہ اپنے ایک عربی مکتوب میں شاہ محمد عاشق کے نام لکھتے ہیں<sup>۵</sup>۔

”قد وصل الولد العزيز عبدالرحمن مع اولاده بالخير والعافيه وقد تلقيناہ تلقیناً حسناً وقرء علی من کتاب الفوز الکبیر شیناً وعسی ان یقرء علی هذا النمط حتی ینتم ان شاء اللہ تعالیٰ“

”عزیزم عبدالرحمن اور ان کے اہل عیال یہاں بخیر و عافیت پہنچے اور ہم نے ان سے اچھی طرح ملاقات کی اور انہوں نے مجھ سے کتاب فوز الکبیر کا کچھ حصہ پڑھا امید ہے کہ اسی طرح پڑھ کر یہ کتاب ختم کر لیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔“

معلوم ہوتا ہے کہ شاہ عبدالرحمن اس وقت تعلیم سے فارغ ہو چکے تھے اور صاحب اہل و عیال ہو چکے تھے اور ملاقات کے لیے دہلی پہنچے تو شاہ صاحب نے اپنی تازہ تالیف الفوز الکبیر پڑھانی شروع کر دی۔

شاہ عبدالرحمن کا ایک اہم کارنامہ شاہ ولی اللہ کے مکاتیب کی جمع و تدوین ہے یہ مجموعہ انہوں نے شاہ صاحب کی حیات ہی میں مرتب کر لیا تھا جو ۲۷۱ مکاتیب پر مشتمل ہے۔ اس کا دوسرا حصہ ان کی وفات کے بعد ان کے والد شاہ محمد عاشق نے مرتب کیا تھا جس میں ۷۷ مکاتیب ہیں، ان میں سے سیاسی نوعیت کے مکاتیب خلیق احمد نظامی نے سیاسی مکاتیب کے نام سے عرصہ ہوا شائع کر دیئے تھے، اب یہ مکمل مجموعہ دو حصوں میں مولانا نسیم احمد فریدی کا مرتبہ اور مترجمہ پروفیسر نثار احمد فاروقی نے اپنے مقدمہ کے ساتھ نادر مکتوبات کے نام سے شائع کر دیا ہے۔

شاہ عبدالرحمن کا ۱۱۶۹ھ میں نوعمری میں وصال ہو گیا تھا شاہ ولی اللہ کو اس حادثے کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے شاہ محمد عاشق کے نام تعزیت نامے میں تحریر فرمایا۔

”خبر وحشت اثر رسیدند انم کہ در برابر آں چه نویسم زیرا کہ حادثہ واقع شدہ است کہ در

عالم بشریت حادثہ شدید تر از ان نمی باشد“

شاہ عبدالرحمن کا عقد شاہ ولی اللہ کی دختر لہ العزیز عرف مسیتی (ولادت ۱۱۳۹ھ) سے

ہوا تھا۔

شاہ عبدالرحمن کے دو بیٹے تھے ابوالفضل اور ثناء اللہ، ابوالفضل کے بیٹے کا نام ابوالفرح اور ان کے بیٹے کا نام ابوالفتح تھا۔ ثناء اللہ کے دو بیٹے تھے محمد عثمان اور محمد یوسف، محمد یوسف کی لڑکی کا نام اللہ بندی تھا۔<sup>۹</sup>

شاہ عبدالرحیم فائق کا عقد فرخ بنت شاہ ولی اللہ سے ہوا تھا ان کے تین صاحب زادے اور ایک لڑکی تھی۔ محمد صادق، محمد معصوم، عبدالسلام اور فاطمہ۔ اول الذکر دو اولاد رہے۔

فاطمہ کا عقد شاہ معظم اللہ فرزند شادائش اللہ سے ہوا تھا۔ عبدالسلام کا قیام دہلی میں خانقاہ عزیز یہ میں رہا ان کے صرف ایک صاحب زادے تھے شاہ محمد زکریا ان کا عقد مولانا نواب قطب الدین خاں کی بہن بادشاہ بیگم سے ہوا تھا ان کے اخلاف کا شجرہ (دیکھیں ص ۱۳۵)

### تلامذہ و مریدین

شاہ ولی اللہ نے اپنے پیش نظر عظیم مقاصد کی خاطر منسوب بہ بندی کی تھی انہوں نے ابتداء درس پر توجہ دی اور محنت کر کے مختلف فنون کے متخصص علما کی ایک ایسی جماعت پیدا کر دی جو ان کی اعانت و نیابت کر سکے اور اس کے بعد تدریس کے فرائض اس جماعت کے سپرد کر کے خود فکر و تحقیق اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گئے۔

شاہ محمد عاشق اس گروہ کی جان اور اس جماعت کے بڑے ممتاز فرد تھے جو نہ صرف شاہ ولی اللہ کی بہترین صلاحیتوں سے متمتع ہوئے بلکہ مختلف اساتذہ وقت سے استفادے میں ان کے رفیق بھی رہے تھے چنانچہ وہ پھلت اور دہلی میں درس و افتادہ کے فرائض انجام دیتے رہے تھے ان کے بڑے ممتاز شاگرد تو شاہ ولی اللہ کے پانچوں فرزند تھے سب سے بڑے صاحب زادے شیخ محمد جو اپنی نھیال (پہنت) میں سکونت پذیر تھے یقیناً شاہ محمد عاشق کے زیر درس و تربیت رہے ہوں گے اور شاہ ولی اللہ کو سب سے زیادہ اعتماد اس بات پر ہوگا کہ پہنت میں شیخ محمد کے حقیقی ماموں شاہ محمد عاشق ہیں پھر جب ۴۵ سال کی عمر میں ان کے بھائی شاہ عبدالعزیز پیدا ہوئے تو ظاہر ہے کہ ان

کی تعلیم کی ابتدائی مراحل بھی شاہ محمد عاشق نے طے کرائے ہوں گے۔ متوسطات کی تعلیم شاہ ولی اللہ نے ہی دی لیکن تعلیم کی تکمیل سے پہلے ہی باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تو فاتحہ فراغ انھوں نے شاہ محمد عاشق سے ہی پڑھا اور اجازت بھی انھی سے لی<sup>۱۱</sup>۔ شاہ رفیع الدین جو والد کی وفات کے وقت ۱۳ سال کے تھے اور میڈی پڑھتے تھے شاہ عبدالقادر نو سال کے اور صرف میر پڑھتے تھے۔ شاہ عبدالغنی جو پانچ سال کے تھے اور قرآن کریم حفظ کر رہے تھے ان سب نے شاہ محمد عاشق سے درسیات پڑھیں۔ خود ان کے فرزند ان گرامی نے ان سے تحصیل علم کی ہوگی بھلت کے کئی گم نام علما ان سے تلمذ کی نسبت رکھتے ہوں گے۔

ان حضرات کے ساتھ قاعدے کے مطابق طلبہ کی ایک جماعت ہوتی ہوگی اگرچہ ان میں سے چند کے ناموں کا علم ہو سکا۔

ان کے مشغلہ تدریس کا ایک ثبوت شاہ عبدالعزیز کا یہ بیان<sup>۱۲</sup> ہے کہ

وہ ایک روز:

”شاگردے را بکمال دقت می خواندند و نسبت در عین اشتغال ملاحظہ کردم در عایت جوشش بود، ایک شاگرد کو بڑی توجہ سے پڑھا رہے تھے مگر میں نے محسوس کیا کہ اس مشغولیت کے دوران بھی نسبت پوری طرح جوش میں تھی۔“

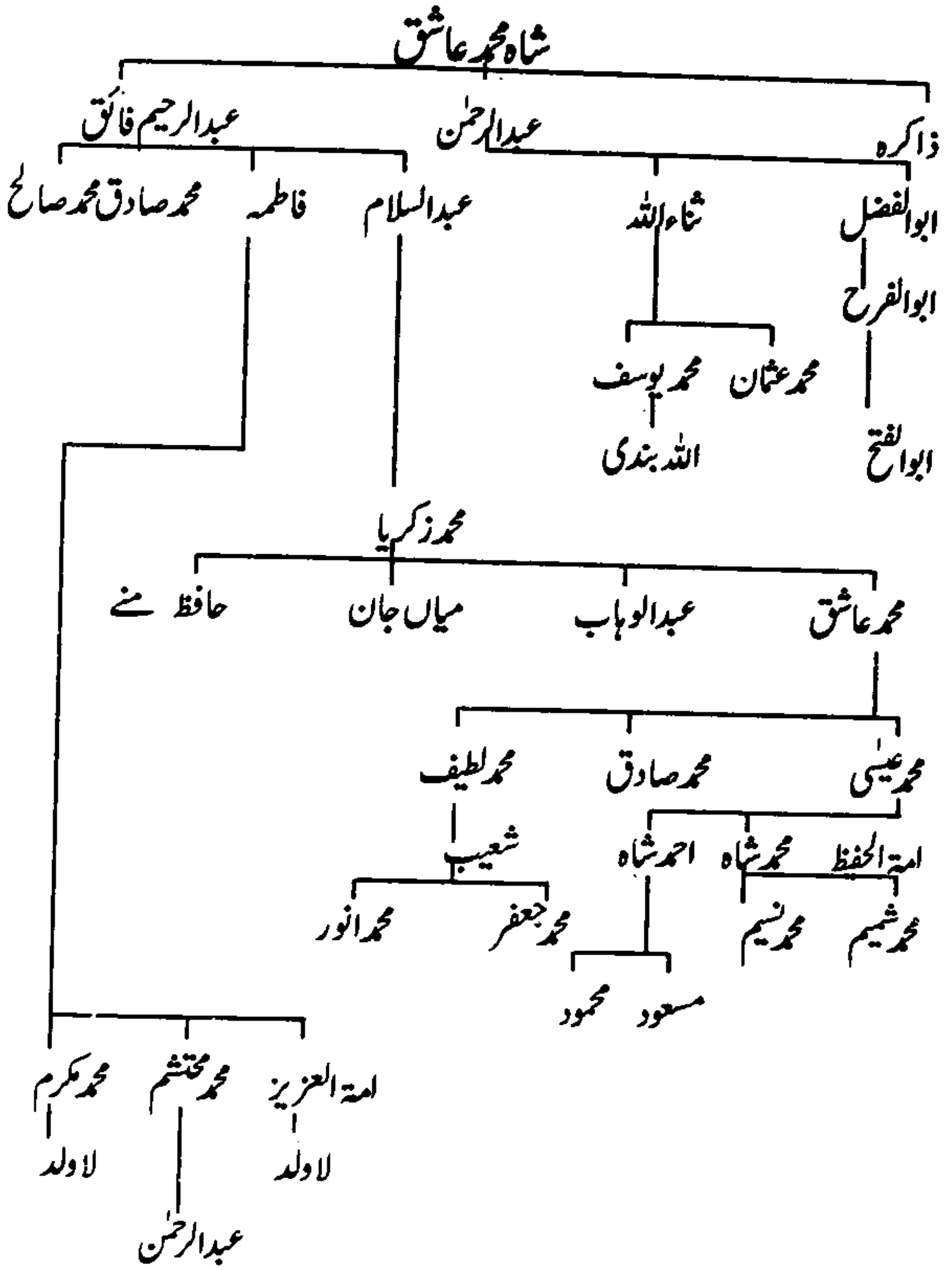
تدریس کے ساتھ ۵۰ ارشاد و ترکیہ باطن کے فرائض بھی انجام دیتے ہوں گے وہ شاہ ولی اللہ کے ”اجل خلفا“ تھے خود شاہ صاحب کی حیات میں اپنے نواح کے طالبان تربیت کی طرف توجہ فرماتے ہوں گے پھر ان کے فضل و کمال اور زبد و تقویٰ کا شہرہ دور دور پہنچا ہوگا اس لئے دور دور سے احتیاج مندان کی طرف رجوع کرتے ہوں گے اور شاہ ولی اللہ کے وصال کے بعد خصوصاً شاہ عبدالعزیز کی نوعمری تک شاہ صاحب کے متوسلین بھی انہی کی طرف رجوع کرتے ہوں گے چنانچہ تکیہ رائے بریلی کے میر ابو سعید نے انہی سے اجازت و خلافت حاصل کی تھی ہم کسی جگہ شاہ عاشق کی وہ تحریر نقل کریں گے جو انھوں نے میر ابو سعید کو بطور اجازہ لکھ کر دی تھی اسی طرح خود شاہ ولی اللہ کے صاحب زادے شاہ رفیع الدین نے شاہ محمد عاشق ہی سے بیعت کی تھی<sup>۱۳</sup> ہاں شاہ عبدالقادر شاہ

عبدالعدل دہلوی سے بیعت تھے البتہ شاہ عبدالغنی ممکن ہے نہ ہوئے ہوں اس لیے کہ ان کے بلوغ تک شاہ عبدالعزیز عمر کی اس منزل میں آگئے تھے کہ ان کی طرف بھی رجوع کیا جاسکتا تھا۔

### حواشی:

- ۱۔ القول الجلی ص ۹
- ۲۔ اتحاف انبیہ ما يحتاج الیہ المحدث والفقہ ص ۱۸-۱۹ مطبع لاہور
- ۳۔ القول الجلی ص ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶
- ۴۔ الجزء اللطیف، ص ۱۹۳ مطبع احمدی دہلی۔
- ۵۔ اتحاف انبیہ، ص ۱۸
- ۶۔ مکتوب شاہ عبدالعزیز بنام ابوسعید رائے بریلوی، ماہنامہ، الفرقان لکھنؤ
- ۷۔ ذخیرہ قیوم منزل بھوپال۔
- ۸۔ نادر مکتوبات، جلد دوم ص ۶۳
- ۹۔ ذخیرہ قیوم منزل بھوپال
- ۱۰۔ بحالہ نافعہ مع فوائد جامعہ شاہ عبدالعزیز / مولانا ڈاکٹر عبدالحکیم چشتی ۱۸ مقالات طریقت ص ۱۸
- ۱۱۔ ملفوظات عزیزی، ص ۱۸
- ۱۲۔ مقالات طریقت، ص ۱۸
- ۱۳۔ فتاویٰ عزیزی، ص ۱۸۲ مجتہبائی دہلی ۱۳۱۱ھ
- ۱۴۔ مطبوعہ مطبع محمدی ٹونک، ۱۲۸۳ھ
- ۱۵۔ ارشاد محمدی، ص ۱۵ محبوب المطابع میرٹھ ۸-۱۳
- ۱۶۔ فہرست کتب خانہ رام پور، ص ۶۹۹ مرتبہ احمد علی خاں شوق
- ۱۷۔ فتاویٰ عزیزی، ص ۱۸۱
- ۱۸۔ ایضاً
- ۱۹۔ مطبع فاروقی دہلی ۱۲۹۳ھ





## تصانیف و تالیفات

### القول الجلی

شاہ محمد عاشق کی تصانیف میں سرفہرست ان کی کتاب حیات شاہ ولی اللہ القول الجلی ہے جو نہ صرف اس لحاظ سے اہم ہے کہ وہ براعظم کی ایک عظیم شخصیت کی سوانح حیات اور اس موضوع پر اولین ماخذ ہے بلکہ اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ یہ سوانح اس فرد کی تصنیف ہے جو شاہ صاحب کے کمالات و فضائل کا وارث اور امین تھا ان کی زندگی کا ہر دور جس کی نظر میں تھا ان کے اصلاحی و تجدیدی کارناموں پر جس کی نظر سب سے زیادہ وسیع تھی جو ان کی تجویزوں، آرزوؤں، حسرتوں اور ان کی تمناؤں کا راز داں تھا جو ان کی بیش تر تالیفات کا ”سبب تالیف“ تھا اور ان کی اکثر تحریروں کا اولین مخاطب تھا۔

کتاب خود شاہ صاحب کی زندگی میں مرتب ہو گئی تھی چنانچہ خود شاہ صاحب نے الجزء اللطیف میں اس کتاب کے مندرجات کی تصویب کی ہے۔

شاہ صاحب کے سوانح اور ان کے علوم و معارف پر اتنی اہم دستاویز عرصے سے نایاب تھی۔ نواب صدیق حسن خاں اور مولوی رحمان علی اور مولوی سید احمد ولی اللہی کے پیش نظر ہی تھی، ان میں پہلے دونوں حضرات نے تو اس کا ذکر کیا ہے مگر مولوی سید احمد نے کہیں اس کا ذکر نہیں کیا مگر جس نے بھی ان کی تمام تحریروں پڑھی ہیں اسے اندازہ ہوگا کہ یہ کتاب یقیناً ان کے پیش نظر ہی ہے ان حضرات کے بعد پھر کسی مورخ نے کبھی اس کا حوالہ دیا نہ اس کے مطالعہ کا ذکر کیا۔

ہم نے اس کتاب پر مفصل مضمون لکھا ہے جو کتاب میں شامل ہے اس لیے اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

## مکاتیب شاہ

شاہ محمد عاشق نے سلسلے کی ایک اہم خدمت یہ انجام دی کہ انھوں نے جہاں شاہ صاحب کی دوسری تحریریں محفوظ و مرتب کیں وہاں ان کے ہر نوع مکاتیب کے جمع اور محفوظ کرنے کا بھی اہتمام کیا خواہ وہ دینی نوعیت کے ہوں یا محض ذاتی یا سیاسی۔ یہ کام انھوں نے شاہ صاحب کی زندگی ہی میں شروع کر دیا تھا ابتداءً انھوں نے یہ کام اپنے بیٹے شاہ عبدالرحمن کے سپرد کیا تھا جنھوں نے اپنی وفات ۱۱۶۸ھ تک مکاتیب شاہ جمع کئے اور ۲۸۱ مکاتیب جمع کر لیے تھے ان کی وفات کے بعد یہ کام شاہ محمد عاشق نے خود سنبھالا اور مزید ۷۷ مکاتیب جمع کر کے ۳۵۸ مکاتیب کا مجموعہ مرتب کر دیا۔ اس مقصد کے لیے آپ نے ممکن ہے شاہ صاحب سے بھی نقول حاصل کی ہوں اور مکتوب الہیم سے بھی چنانچہ شاہ ابوسعید رائے بریلوی کے نام ایک خط کا اختتام اس طرح کرتے ہیں۔

”دیگر التماس آں کہ خطے کہ حضرت میاں صاحب بایشان نوشتند نقل آں

برداشتہ بایں فقیر عنایت فرمائند وہم چنین نقل خطوط سابقہ نیز مرحمت فرما

یند و دریں باب ہرگز تغافل تجویز نہ نمایند“

”ایک اور گزارش یہ ہے کہ حضرت میاں صاحب نے جو خط آپ کو لکھا ہے

اس کی نقل کر کے مجھے بھیج دیں اس طرح سابقہ خطوں کی نقلیں بھی بھیجیں

اس بارے میں غفلت ہرگز نہ کریں۔“

اس مجموعہ مکاتیب کا صرف ایک مخطوطہ مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوری۔ کتب خانے

میں تھا جس پر مولانا نسیم احمد فریدی جیسے زیدہ در کی نظر پڑ گئی انھوں نے ان کو نقل کیا اور ترجمہ کیا

اور پہلے تو ان مکاتیب میں سے سیاسی خطوط منتخب کر کے اپنے خواہر زادے جناب خلیق احمد نظامی کو

دیئے جنھوں نے ایک مقدمے کے ساتھ اسے شاہ ولی اللہ کے سیاسی خطوط کے نام سے شائع کیا

پھر یہ مکمل مجموعہ مولانا مرحوم کے برادر زادے نامور محقق جناب ثار احمد فاروقی نے اپنے مفصل

مقدمے کے ساتھ نادر مکتوبات کے نام سے شائع فرما دیا۔

## سبیل الرشاد

سبیل الرشاد لائل الحجۃ والوداد، اس کتاب کے کسی مخطوطے کا بھی علم نہیں ہے، حسن تفاق سے اس کا تفصیلی ذکر شاہ عبدالعزیز نے فرمایا ہے ایک صاحب نے درود اور سید الاستغفار کے تعلق دریافت کیا تھا اس کے جواب میں سید الاستغفار کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

”سید الاستغفار در کتاب سبیل الرشاد مذکور است و تمام آں جوہر نفیسیہ ست۔۔۔ و آن کتاب گویا خلاصہ سلوک خاندان ماست خصوصاً فوائد سلوکیہ از حضرت والد ماسوے طالبان و مریدان فیضان نمودہ در آں مجموعہ مندرج ست حضرت شاہ محمد عاشق قدس سرہ کہ اجل خلفاء حضرت والد ماجد بودند آں را تالیف فرمودہ اند بقدر شش جز باشد“

”سید الاستغفار کتاب سبیل الرشاد میں مذکور ہے اس کتاب میں نفس جوہر ہیں۔۔۔ اس کتاب میں گویا ہمارے خاندان کے سلوک کا خلاصہ آ گیا ہے خصوصاً میرے والد ماجد نے سلوک کے جو قاعدے مریدوں اور طالب علموں پر فیضان کر دیئے ہیں اس کتاب میں درج کیے گئے ہیں حضرت شاہ محمد عاشق قدس سرہ جو میرے والد ماجد کے اجل خلفا تھے انہوں نے یہ کتاب تالیف کی ہے حجم چھہ جز کے بقدر ہوگا“

پیر مرتضیٰ خان رام پوری (خلیفہ سید احمد شہید) نے اپنی کتاب دافع الفساد و نافع العباد کے مقدمے میں اپنے ماخذ میں سبیل الرشاد کا نام بھی لکھا ہے اور تین مقامات پر ایک ہی عبارت کا اردو ترجمہ دیا ہے چون کہ اس کتاب کی کسی عبارت کا کوئی اقتباس یا ترجمہ بھی ہماری نظر سے نہیں گزرا اس لیے تمکایہ ترجمہ نقل کرتے ہیں۔ ۱۱

شیخ محمد عاشق پھلتی کہ خلیفہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کے تھے اپنے رسالے سبیل الرشاد میں لکھتے ہیں ”جو کوئی شخص یا اللہ یا اللہ یا اللہ اپنی زبان سے پڑھے اور ملاحظہ

کرے پڑھنے کے وقت میں کہ ایک نور اس کے منہ سے باہر آتا ہے یعنی پڑھنے والے کے، جب قریب تین لاکھ کے پورے کرے اس شخص کے تین ایک مناسبت ساتھ حقیقت اس اسم کی کہ بیچ عالم ملکوت کے جگہ پکڑنے والی ہے ظاہر ہوتی ہے۔“

شیخ محمد تھانوی اپنی کتاب ارشاد محمدی میں درود شریف اللہم صلی علی من منہ

انشئت الاسرار کے ورد کے متعلق لکھتے ہیں: ۱۵

”اس کا ورد کرنا بہت فائدہ رکھتا ہے خصوصاً پڑھنا صبح و شام اول مرتبہ تین تین بار صبح و شام

اور پچھلے کو حضرت شاہ محمد عاشق پھلتی علیہ الرحمۃ نے سبیل الرشاد میں لکھا ہے اور فقیر کا مجرب ہے“

### تقریر خیر کثیر

شاہ ولی اللہ کی معروف تصنیف الخیر الکثیر پر شاہ محمد عاشق نے ایک حاشیہ لکھا تھا جس کے

خطبے میں انہوں نے لکھا ہے کہ یہ کتاب شاہ صاحب نے انہیں پڑھائی تھی اور دوران درس جو تفصیل

و تشریح حضرت مصنف فرماتے تھے میں اس کو لکھتا جاتا تھا یہی مجموعہ تقریرات مرتب کر کے کتاب کا

حاشیہ قرار دیا“

اس حاشیہ کا مخطوطہ رضا لاہوری رام پور میں ہے۔ ۱۶ ص ۸۸

### شرح دعاء الاعتصام من تعلیم ولی الانعام

شاہ ولی اللہ کی متعدد گم شدہ تصانیف کی طرح ان کی ایک کتاب الاعتصام الامین

ہے، شاہ عبدالعزیز کا بیان ہے کہ والد بزرگ فقیر دعا موسوم الاعتصام تصنیف نمودہ اند بزبان

عربی، اس کتاب کی شرح شاہ محمد عاشق نے لکھی تھی افسوس کہ یہ کتاب بھی نایاب ہے شاہ عبدالعزیز

سے مرزا حسن علی لکھنوی نے دریافت کیا تھا کہ اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ غیر انبیاء معصوم نہیں ہوتے

مگر شاہ ولی اللہ نے تہمیدات البیہ میں اور آپ نے ایک رسالے میں صفات اربعہ حکمت، غفلت،

وجاہت اور قطبیت باطنہ کا اطلاق ائمہ اثنا عشر پر کیا ہے اس تخالف کی کیا توجیہ ہے اس کے جواب

میں شاہ صاحب ۱۸ نے لکھا ہے:

”نزد صوفیا معانی اصطلاحیہ اند خصوصاً در کتب مصنفہ حضرت والا ماجد قدس سرہ مفصل مذکورند۔۔۔۔۔ شرح اعتصام از تصانیف شاہ محمد عاشق پھلتی قدس سرہ اگر بہم رسد وانی کافی ست“

”صوفیا کے ہاں اصطلاحی معنی ہوتے ہیں جو خصوصاً والد ماجد کی تصانیف میں مفصل مذکور ہیں۔۔۔۔۔ شرح اعتصام شاہ محمد عاشق پھلتی قدس سرہ کی تصنیف ہے اگر حاصل ہو سکے تو اس باب میں وانی و کافی ہے“

شاہ عزیز کی اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اصطلاحات صوفیہ کے معانی و مفاہیم پر بھی اس کتاب میں عالمانہ و محققانہ گفتگو کی گئی ہے۔

اس کتاب شرح دعاء اعتصام پر شاہ ولی اللہ نے ایک تقریظ منظوم لکھی تھی۔

لنک ما ارضیت ذرۃ حقہ  
من الفحص و التفتیش و الفہم و الفکر  
و حکم عن طے العلوم و شرھا  
و نظمک اصناف الجواہر و الدرر  
و حفظک للرمز الخفی مکانہ  
و خوضک بحر ذخر ای بحر  
لہ ما اوتیت من حلل المنی  
و لہ ما اعطیت من عظم الفخر

کشف الحجاب عن رموز فاتحہ الکتاب

درایات الاسرار

ان دو کتابوں کا ذکر خود شاہ محمد عاشق نے القول الجلی میں فرمایا ہے مگر افسوس ہے کہ اس ذکر کے سوا ہمارے سرمایہ علم میں اور کچھ نہیں ہے۔

## متفرق تحریریں

مقدمہ الخیر الکثیر

خیر کثیر کا جو مخطوطہ ہمارے ذخیرے (برکات اکیڈمی) میں ہے اس کے آغاز میں شاہ محمد عاشق کا ایک مقدمہ ہے، جو دوسرے مخطوطات میں ہمارے علم کی حد تک نہیں ہے کئی لحاظ سے اہم ہے۔  
اولاً شاہ محمد عاشق کی ایک نایاب تحریر ہے۔

ثالثاً اس سے شاہ ولی اللہ کی ذات سے ان کی شیفتگی اور ادبیات شاہ سے ان کے شغف کا

اندازہ ہوتا ہے۔

ثالثاً شاہ ولی اللہ کی بعض تالیفات کے عہد تالیف کا تعین ہوتا ہے۔

رابعاً یہ بھی علم میں آتا ہے کہ شاہ صاحب کے تحریری کاموں کے سرانجام پانے میں شاہ محمد عاشق کا کتنا ہاتھ ہے اور ان کا تعاون شاہ صاحب کو حاصل نہ ہوتا تو ادبیات شاہ اس شکل میں ہمارے سامنے نہ ہوتے۔

ذیل میں متن کو حذف کر کے اس کا آزاد ترجمہ اور خلاصہ پیش کرتے ہیں۔

حمد و نعت کے بعد۔ جب اللہ کسی فرد کا مل کو اپنے علوم و اسرار کی مظہریت کے لیے منتخب فرماتا ہے تو اس فرد سے علوم و اسرار کا ظہور علوم رسمہ کسب کے طرز پر نہیں ہوتا بلکہ وہ علوم حسب واردات و تقریبات بروز کرتے ہیں کبھی مخاطبت کے اسلوب میں کبھی عربی میں، کبھی فارسی میں، کبھی رمز و اشارت میں، کبھی بسط و تفصیل کے ساتھ، کبھی ایک اصطلاح میں، کبھی دوسری اصطلاح میں، ایک ہی مطلب و معنی کی ایک ہی روپ میں تکرار ہوتی ہے، کبھی روپ بدل دیا جاتا ہے اس لیے ان علوم و اسرار سے استفادہ اور استفادے کے آداب یہ ہیں کہ جن اوضاع و اسالیب میں ان کا ظہور و صدور ہوا ہے ان نغمات البیہ اور واردات غیبیہ سے تعرض اسی وضع و شکل میں کیا جائے اور بغیر کسی تصرف

کے ان کی حفاظت کی جائے اس دور میں اس مقام (کاملیت) پر فائز شیخ ولی اللہ کی ذات والا ہے، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ”زکی“ اور ”حکیم ہذہ الامت“ کا خطاب مرحمت فرمایا اور آپ کے علوم و اسرار اور حقیقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم و اسرار ہیں اور ان کی حفاظت ارشادِ گرامی نصر اللہ امرء مع مقاتلی ہونا حاکم ادا کا سمعھا“ بشارت میں شمول کا باعث ہے اس کم ترین خاک بوسان آستانہ ولیہ احمد یہ فقیر محمد عاشق ملقب بہ علی بن شیخ عبید اللہ بارہوی پھلتی پر اللہ تعالیٰ کے انعامات و الطاف میں سے ایک یہ ہے جسے صرف تحدیثِ نعمت کے لیے لکھتا ہوں بدوشعور سے میرے دل میں شاہ صاحب کی عقیدت راسخ کر دی گئی اور ظہورِ اسرار کے آغاز سے مجھے تخصیص خطاب کا شرف عنایت ہوا چنانچہ حضوری میں مکالمے اور دوری میں مراسلے کے وسیلے خطاب سے مشرف ہوتا رہا یہاں تک کہ اگر میں اس بات کی قسم کھا لوں تو ان شاء اللہ حانت نہیں ہوں گا کہ آپ کے جس قدر علوم و اسرار کا خصوصاً تصوف کے باب میں ظہور ہوا ہے وہ میرے لیے ہوا ہے اور مجھ سے خطاب و گفتگو میں ہوا ہے ان میں سے اکثر معارف ایسے ہیں جن میں اس خاکسار کا کوئی سہیم و شریک نہیں ہے اور کسی تحریر کا مخاطب اگرچہ بظاہر دوسرا بھی ہے مگر جیسا کہ آپ ہی کا ایک عربی شعر ہے

و انی و ان خاطبت الف مخاطب  
فانت الذی اعنی و انت الخطاب

(میرا وہ سخن ایک ہزار کی طرف ہو مگر میرا مقصود اور مخاطب تم ہی ہوتے ہو۔)

اس تخصیصِ سعادت کے پیش نظر مجھے ان کلمات کی توفیق ہوئی چنانچہ یہ علوم و معارف:

☆ اگر کتب و رسائل کے مسودات کی شکل میں تھے تو انھیں مبیض کیا۔

☆ رقعات کی شکل میں اور متفرق و منتشر تھے تو انھیں مدون کیا اور مستقل رسائل کی شکل

دی۔

☆ اضافات باطنی جو بے قید تحریر و خطاب میرے آئینہ قلب پر منعکس ہوئے تھے انھیں



عربی یا فارسی میں قلم بند کر کے تصویب کے بعد مدون منضبط کیا۔

مختصر یہ کہ الحمد للہ ایک کلمہ بھی حتی المقدور ضائع نہیں کیا یہاں تک کہ آپ ہی نہیں آپ کے بعض اصحاب کے احوال و اقوال بھی جتنے ہو سکے جمع کر لیے اور اس کام میں ایک عمر صرف کر دی اور الحمد للہ جمع و تالیف کے اس کام میں قضاے شوق کے سوا کچھ اور منظور نہ تھا۔

اب سنہ ۱۱۶۱ھ میں یہ ارادہ کیا ہے کہ تصوف پر ان کے تمام رسائل کو ایک جلد میں جمع

کر کے ایک کلیات مرتب کر دوں۔

اس عزم کی تکمیل سے قبل جب مندرجہ بالا سطور آں محترم کی نظر سے گزریں تو غایت

انشراح و انبساط خاطر کے عالم میں بڑے اہتر از کے ساتھ بندہ نوازی فرمائی اور حسب ذیل کلمات

تحریر فرما کر مجھے اعزاز و امتیاز کا شرف بخشا۔

منکم بدء الامر و ثنیا و هذا امر منکم بدء و الیکم يعود

و تلک کلمة کنتم احق بها و اهلها و حق الرب المعبود

تمہیں سے آغاز و انجام ہے اس کام کی ابتدا بھی تم سے کی اور انتہا بھی تم پر

ہوگی ان کے تم ہی سب سے زیادہ اہل اور مستحق ہو بخدا!

خدا یا تو ہی جانتا ہے کہ میں اس بے اندازہ نعمت کے شکر کی استطاعت نہیں رکھتا۔

پھر میں نے طے کیا ہے کہ اس کلیات میں تقریباً بیس رسائل جمع کر دوں اور ان کی ابتدا

الخیر الکثیر سے کرتا ہوں کہ یہ کتاب اسی کی مستحق ہے۔

مکتوب

ذیل میں شاہ محمد عاشق کا وہ خط نقل کیا جا رہا ہے جو انھوں نے میر ابو سعید بریلوی کے نام

لکھا تھا:

سعادت و نقابت مرتبت، خلاصہ دو دماں حقائق و معارف آگاہ، فضائل دست گاہ میر

ابو سعید بریلوی جیو سلمہ اللہ تعالیٰ بعد از سلام اشواق التیام از فقیر محمد عاشق مشہود ضمیر معارف تخمیر باد کہ

الحمد لله على العافية ونسئل الله تعالى ان يدبر لنا ولكم ايامها، اشفاق تامه کہ بہ میاں شاہ نور اللہ جیو و فقیر ار  
 قام فرمودہ بودند و رود و تو و نمود الحال کہ فقیر بجهت شرف ملاقات ملازمت حضرت قبلہ کونین مد اللہ  
 ظہم العالی رسید عرضی ایشان را کہ بجناب حضرت ارسال داشته بودند مطالعه نمود و مواجید خاصہ کہ  
 بفضل الہی نصیب ایشان شدہ ملاحظہ کردہ و این معنی موجب نہایت خوشی و شادی گردیدہ و حمد الہی  
 و شکر و تعالیٰ بجا آورد اللهم زد و زدتم زد انشاء اللہ تعالیٰ بعد وصول وطن نیاز نامہ بخدمت خواہد  
 نوشت امید کہ بدعائے خیر یاد دارند زیادہ چہ التماس نماید۔ والسلام میاں محمد عقیق جیو سلام مطالعه نمایند  
 از محمد فائق سلام مطالعه باد۔

### المصنفی پر تحریر

شاہ ولی اللہ نے موطا امام مالک کی ایک شرح عربی میں المصنفی کے نام سے لکھی تھی،  
 اور اس کے بعد المصنفی فی احادیث الموطا کے نام سے فارسی میں ایک اور شرح لکھی تھی یہ شرح شاہ  
 صاحب کی زندگی میں مبیض نہیں ہو سکی تھی یہ کام شاہ محمد عاشق کی نگرانی میں انجام کو پہنچا چنانچہ شاہ  
 محمد عاشق نے اس کی روداد قلم بند کی جو کتاب کے آخر میں درج ہے۔<sup>۱۹</sup>

”اما بعد فقیر محمد عاشق بر ضمیر صنایذ یرطالبان صادق واضح می گرداند کہ چون اس کتاب  
 مصنفی شرح موطا امام مالک، از قلم فیض رقم حجۃ اللہ حضرت شاہ ولی اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، وارضاه بہ  
 تسویہ رسید بہ سبب اشتغال باشغال دیگر توجہ بہ ترتیب و تہذیب آں مسودات مبذول نشد و مدتے غیر  
 مرتب مانند ہر چند گوشہ خاطر و مبارک باں طرف ہمیشہ مصروف بود لیکن صورت نمی گرفت تا آں کہ  
 روح پر فتوح ایشان بہ ملاء اعلیٰ پرواز فرمود و چون اس واقعہ رو نمودار کے را از عقیدت مندان ہوش نما  
 ند کہ تفحص آں اوراق پردازد تا بعد مدت پنج یا شش ماہ صالحے حضرت ایشان را در خواب دید کہ گویا می  
 فرمایند کہ بہ ترجمہ موطا شوق بسیار دارم و اظہار شغف باں فرمایند آں نزد کاتب حروف آں بشری  
 نمود از ہماں وقت شغفے متعلق بہ ترتیب و تمیض آں مسودات بخاطر م افتاد و نزد حافظ کلام رب  
 العالمین خواجہ محمد امین دلی اللہی کہ تمیذ خاص و محرم اختصاص جناب حضرت ایشان بود شغف خود را

اظہار نمودم ایساں مسودات را بیرون آورده کتاب مسویٰ پیش رونہادہ تمییز و ترتیب گرفتند مدتہ  
 جہد بلیغ نمودہ تا حسن انتظام یافت و ثامن عشر شوال یوم الاحد عند اربعۃ انہار ۹ ۱۱ ۱۷ ۱۹ ۲۰ ۲۱ ۲۲ ۲۳ ۲۴ ۲۵ ۲۶ ۲۷ ۲۸ ۲۹ ۳۰ ۳۱  
 بعد الالف و مائة مرتب و مہذب گردید الحمد للہ علی دلک۔

حواشی:

- (۱) القول الجلی ص ۹
- (۲) اتحاف البیہ ما یتاح الیہ المدت و الفقیہ ص ۱۸-۱۹ طبع لاہور
- (۳) القول الجلی ص ۲۸۲
- (۴) الجزء الالطیف ص ۱۹۳ مطبع احمدی دہلی
- (۵) اتحاف البیہ ص ۱۸
- (۶) مکتوب شاہ عبدالعزیز بنام ابوسعید رائے بریلوی، الفرقان، لکھنؤ
- (۷) ذخیرہ قیوم منزل بھوپال
- (۸) نادر مکتوبات جلد دوم ص ۶۳
- (۹) ذخیرہ قیوم منزل بھوپال
- (۱۰) بحالہ نافعہ مع فوائد جامعہ شاہ عبدالعزیز / مولانا ڈاکٹر عبدالکلیم چشتی ص ۱۸ و مقالات طریقت ص ۱۸
- (۱۱) ملفوظات عزیزی ص ۱۲
- (۱۲) مقالات طریقت ص ۱۸
- (۱۳) فتاویٰ عزیزی ص ۱۸۲ عجیبائی دہلی ۱۳۱۱ھ
- (۱۴) مطبوعہ مطبع محمدی ٹونک ۱۲۸۳ھ
- (۱۵) ارشاد محمدی ص ۱۵ محبوب المطامع میرٹھ ۱۳۰۸ھ
- (۱۶) فہرست کتب خانہ رام پور ص ۶۹۹ مرتبہ احمد علی خاں شوق
- (۱۷) فتاویٰ عزیزی ص ۱۸۱
- (۱۸) ایضاً
- (۱۹) مطبع فاروقی دہلی ۱۲۹۳ھ

## شاہ محمد

(شاہ ولی اللہ کے بڑے فرزند)

شاہ ولی اللہ کا پہلا عقد ۱۴ سال کی عمر میں شاہ عبید اللہ کی صاحب زادی فاطمہ سے ہوا تھا، ان سے تین اولادیں ہوئیں (۱) صالحہ (۲) شیخ محمد (۳) امہ العزیز عرف مسیتی۔ شاہ محمد کی ولادت ۱۱۴۶ھ میں ہوئی تھی ان کی تحصیل علم کی تفصیل نہیں ملتی، ظاہر ہے کہ گھر میں ہوئی ہوگی۔ خود شاہ صاحب اور ان کے مدرسے میں مقیم علمائے تعلیم دی ہوگی شاہ عبدالعزیز کا بیان ہے کہ انھوں نے حصن حصین اور شمائل ترمذی اپنے بھائی شاہ محمد کی قرأت سے اپنے والد سے پڑھی تھی۔ ان دونوں بھائیوں کی عمر میں تیرہ سال کا فرق تھا اس لیے شاید تبرکاً شاہ عبدالعزیز کو شریک درس کر لیا گیا ہوگا۔

شاہ ولی اللہ کے مرض وصال کے آخر لمحات میں سب اعزہ کی موجودگی میں شاہ محمد پر ”غایت اضطراب“ طاری ہو گیا تھا۔ سب انھیں سمجھا رہے تھے۔

شاہ محمد شاہ ولی اللہ کے سب سے بڑے صاحب زادے تھے مگر انہیں باقی چار بھائیوں جیسا نام اور مقام نہیں ملا، بلکہ ایک عرصے تک ان کا وجود ہی نامعتبر رہا ہر قلم کی زبان پر ”شاہ ولی اللہ کے چار صاحب زادے“ تھے الحمد للہ اب یہ رنگ نہیں رہا اور عام طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے کہ چار نہیں پانچ۔

لیکن ایسا کیوں تھا؟

شاہ محمد کی ولادت ۱۱۴۶ھ میں ہوئی تھی، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شاہ ولی اللہ کے وصال کے وقت ۳۰ سال کے ہو گئے تھے اس میں سال میں سے تحصیل علم کا عرصہ (جو حد سے حد

میں سال ہوگا) نکال دیا جائے تو دس سال انھوں نے کہاں گزارے؟ کیسے گزارے؟ "خاندان کی روایات کے پیش نظر عہدِ تعلیم کے ختم ہوتے ہی عہدِ تعلیم و تدریس کا آغاز ہو گیا ہوگا اور مدرسہ رحیمہ میں ایک جوان سالِ معلم کا اضافہ ہو گیا ہوگا۔ ساتھ ہی خاندانی ذوقِ تالیف و تحریر کے مشغلے میں بھی کسی قدر وقت صرف اوقات ہونے لگا ہوگا، ان کے چچا شاہ اہل اللہ نے تقریباً تیرہ سال کی عمر میں اپنے والد شاہ عبدالرحیم کے مکاتیب کا مجموعہ مرتب کر لیا تھا، خاندان کے نصابِ درس میں طب کا فن بھی تھا خدمتِ خلقِ اللہ اور رابطہٴ انوار کا یہ محاذ بھی انھوں نے شاید سنبھالا ہو، لیکن ان میں سے ایک شعبے میں بھی ان کی دل چسپی اور فعالیت کے سراغ نہیں ملتا، پھر والد کے وصال کے وقت بھائیوں میں وہ سب سے بڑے تھے، منہجی ذمہ داریوں کے بار اٹھانے کی انھیں سے توقع کی جاسکتی تھی لیکن صورت حال مختلف ہے، شاہ محمد عاشقؒ نے جو شاہ محمد کے حقیقی ماموں تھے انھیں نہیں شاہ عبدالعزیز کو "خلف الصدق ظاہر اوباطنا حضرت ایشاں" تحریر کیا ہے والد کے وصال کے بعد دستار بندی بھی شاہ عبدالعزیز کی ہوئی، شاہ ولی اللہ کے نیاز مندوں کے جو تعزیت نامے آتے ان کے مخاطب شاہ محمد نہیں شاہ عبدالعزیز تھے، جو اب میں شاہ عبدالعزیز اپنے تینوں چھوٹے بھائیوں کی محلمانہ پیش رفت کا ذکر کرتے ہیں مگر شاہ محمد کی کسی تدریسی اور تلقین و ارشاد کی یا مطب کی مصروفیت کا نہیں صرف بخیر و عافیت ہونے کا کرتے ہیں۔

اس بے نامی کے اسباب کی تلاش میں اگر کچھ راہ نمائی ملتی ہے تو مولوی نصر اللہ خاں خورجوی سے ملتی ہے کہ

"آپ (شاہ محمد) ولی کامل تھے آپ پر جذبِ غالب تھا" مقالات<sup>۵</sup> طریقت میں مولوی صاحب کی زبانی دہلی میں ایک مجذوب سے آپ نے فیض حاصل کر کے مجذوب ہو جانے کا قصہ بھی لکھا ہے جس کے نتیجے میں آپ پر جذبِ غالب اور انتہا تک رہا ہے۔

اس بیان کی صحت تسلیم کر لینے کے بعد یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ شاہ محمد پر جذب کی سی کیفیت ابتداءً عمر میں ہی طاری ہو گئی ہو اور وہ تحصیلِ علوم کی تکمیل نہیں کر سکے ہوں، یا تحصیل سے

فراغت تو کر لی ہو مگر خاندان اور معاشرے میں کوئی مقام پانے سے پہلے مجذب ہو گئے ہوں۔  
 شاہ محمد کے نام شاہ ولی اللہ کا ایک مکتوب بھی ہے جسے رسالہ بھی لکھا گیا ہے۔ یہ ایک صفحہ  
 کا مختصر خط ہے جس میں املا و کتابت کے قاعدے بیان کئے ہیں۔<sup>۱</sup>

شاہ محمد کچھ دن کے لیے لکھنؤ بھی چلے گئے تھے اور کچھ دن کے لیے نواب افضل  
 خاں برادر نجیب الدولہ کی دعوت پر ان کے یہاں بھی جا کر رہے تھے، نجیب الدولہ کی  
 وفات ۱۷۷۰ء میں ہوئی تھی، اس لیے ظاہر ہے کہ واقعہ اس سال سے پہلے کا ہوگا۔

شاہ محمد کا عقد، شاہ نور اللہ پھلتی کی صاحب زادی صبیحہ سے ہوا تھا، شاہ محمد اولاد سے محروم رہے<sup>۲</sup>

شاہ محمد کا وصال ۱۲۰۸ھ میں بڑھانے میں ہوا تھا وہیں جامع مسجد سے متصل مزار ہے۔<sup>۳</sup>

حواشی:

۱۔ مکتوب شاہ ولی اللہ بنام شیخ محمد معین تھوری، نادر مکتوبات جلد سوم ص ۱۲۹

۲۔ مکتوبات ویاض یعقوبی، ص ۱۸۰ کراچی ۱۹۷۷ء (سید عطیہ شاہ عبدالعزیز بنام شاہ ابوسعید فاروقی مجددی)

۳۔ القول الجلی، ص ۲۶۲ دہلی ۱۹۸۹ء

۴۔ ایضاً ص ۲۶۳

۵۔ مقالات طریقت، ص ۱۲

۶۔ نادر مکتوبات جلد اول، ص ۳۳۰

۷۔ مقالات طریقت، ص ۱۲

۸۔ خیرہ قیوم منزل بیوپال و مقالات طریقت، ص ۱۳

## شاہ عبدالعزیز

پورا نام امام الدین عبدالعزیز۔ تاریخی نام غلام حلیم تھا (۱۱۵۹)

شاہ ولی اللہ کی پہلی شادی شاہ عبید اللہ پھلتی کی صاحب زادی اور شاہ محمد عاشق کی بہن  
 لہۃ الرحیم سے ۱۱۲۸ھ/۱۷۱۶ء میں ہوئی تھی۔ ان کے انتقال (۱۱۳۹ھ) کے بعد دوسری شادی سید  
 ثناء اللہ سونی جی کی دختر سیدہ ارادت سے ہوئی تھی۔ ان کے بطن کے چار صاحب زادے اور دو  
 صاحب زادیاں ہوئیں۔ ان میں سے امام الدین عبدالعزیز تھے جو ۱۱۵۹ھ/۱۷۴۸ء میں پیدا  
 ہوئے۔ اس وقت شاہ ولی اللہ کی عمر ۳۵ سال تھی۔ شاہ عبدالعزیز کا بیان ہے کہ میری عرفیت  
 ”مسچا“ ہے اس لیے کہ میرے والدین کے کئی بچے اللہ کو پیارے ہو چکے تھے۔ اس لیے سب  
 کو اولاد کی بڑی آرزو تھی چنانچہ میری ولادت کے زمانے کے قریب کئی بزرگ اور اولیا مسجد میں  
 معتکف تھے، جب میں پیدا ہوا تو غسل کے بعد مجھے مسجد کے محراب میں ڈال دیا گیا۔ گویا مجھے خدا  
 کی نذر کر دیا گیا پھر ان معتکف بزرگوں نے محراب سے اٹھا کر اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے  
 والدین کو بخش دیا۔<sup>۱</sup>

”والد ماجد مجھ سے بہت محبت کرتے تھے۔ میرے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے۔“ تعلیم

و تربیت والد کی نگرانی میں ہوتی۔ والد نے ان کے لیے علم الاصرف<sup>۲</sup> کے قواعد کو منظم کیا تھا شاہ  
 عبدالعزیز ۷۷ سال میں تھے کہ شاہ ولی اللہ کا وصال ہو گیا (۱۱۳۱ھ) اس لیے تعلیم کی تکمیل شاہ  
 محمد عاشق، خواجہ محمد امین کشمیری، شاہ نور اللہ پھلتی سے کی۔ رسم دستار بندی میں تین چار بند موافقاً فخر

صاحب نے باندھے تھے جناب مرزا مظہر جان جاناں بھی شریک محفل تھے۔“

”جب شاہ ولی اللہ کا انتقال ہوا اور شاہ عبدالعزیز مسند درس و ارشاد پر بیٹھے تو مولانا فخر الدین نے سر پر دستار فضیلت باندھی تھی جب پگڑی باندھ چکے تو کان میں کہا، تمہارے والد بزرگوار کے دامن پر ایک دھبہ لگ چکا ہے تمہارا کام یہ ہے کہ اسے صاف کر دو، دھبے سے مقصود شاہ صاحب کا مجتہدانہ مسلک اور تقلید مذاہب سے انکار تھا۔“

”شیخ عبدالعزیز خلف الصدق ظاہر اوباطنا حضرت ایٹاں“

(شاہ محمد عاشق، القول الجلی ۴۶۳)

”روزانہ صبح قریب طلوع آفتاب ایک رکوع قرآن شریف سنا کرتے تھے اس کے قاری شاہ اسحاق ہوتے تھے۔ جمعہ اور منگل کو قرآن شریف کا درس بطور وعظ کرتے تھے اس میں ہزاروں آدمی ہوتے تھے۔“

”کسی خاص طریقے میں غام طور پر بیعت نہ فرماتے تھے۔ اپنے اعزہ خصوصاً شاہ مخصوص اللہ، شاہ اسماعیل، شاہ یعقوب، شاہ اسحاق کو قادریہ سلسلے میں بیعت کیا، امراء و سلاطین کو چشتیہ میں اور دوسروں کو نقشبندیہ میں بیعت کرنے لگے۔“

جو طلبہ و علما تیمنا و تبرکاً حصول اجازت کے لیے آتے تھے، چہل قدمی کے وقت ان سے احادیث سنتے تھے۔ کچھ بیان بھی کرتے تھے۔ اس قسم کے شاگرد بے شمار تھے۔“

وفات

آپ بہت قلیل الغذاء کثیر الامراض تھے۔ وفات سے کچھ پہلے غذا بالکل ترک کی۔ مرض کی شدت تھی۔ وعظ کا وقت آیا تو فرمایا، مجھے پکڑے رہو بیان شروع کر دوں تو چھوڑ دینا ایسا ہی کیا گیا وعظ فرمانے لگے آیت شریفہ ذوی القربی والیتائی والمساکین وابن السبیل کا بیان کیا، اس کے مطابق نقد اسباب سب تقسیم کر دیا من بعد قریب ایک لاکھ کے نقد اور دوسرا اسباب بیش قیمت جو رہا تھا اس میں سے چند ہزار روپے زاد راہ سفر حجاز و حج شاہ اسحاق و شاہ یعقوب کو عطا کئے چند ہزار



اور مراسم وفات کے لیے، پھر فرمایا میرا کفن اسی کپڑے کا ہو جو میں پہنتا ہوں آپ کا کرتا دھو تر کا اور پاجامہ گاڑھے کا ہوتا تھا جنازے کی نماز شہر کے باہر ہو۔ بادشاہ میرے جنازے پر نہ آئے۔ ۷ شوال ایک شنبہ ۱۲۳۹ھ وقت طلوع آفتاب وصال ہوا پہلی نماز جنازہ ترکمان دروازے کے باہر ہوئی امام شاہ اسحاق تھے بعد ازاں نصیر الدین صاحب شافعی کے مقبرے میں نماز جنازہ ہوئی کل ۵۵ بار نماز جنازہ ہوئی تھی۔<sup>۱۲</sup>

حلیہ

دراز قد، لاغر اندام، گندم رنگ، کلاں چشم صاف جسم تھے۔ گردا گرد چہرے کے لحنے مبارک خوش نما بااعتدال تھی اکثر چغذہ اس کے تلے انگرکھا اور پاجامہ شرعی، دستار کشمش کلاہ پنبہ دار، رومال بنی پاک نیلا اور پاپوش نری اور ہاتھ میں عصا سبز رکھتے تھے۔<sup>۱۳</sup>

جاگیر

تین موضع آپ کی جاگیر میں تھے ان کی سند شاہ عالم بادشاہ (۱۷۰۹-۱۸۰۶ء) اور دولت راؤ سندھیانے گزرائی تھی۔ حسن پور اور مراد آباد پرگنہ سکندر آباد سے چاروں بھائیوں میں مشترک تھا اور ایک موضع مہلجنہ پرگنہ بڈھانہ (مظفرنگر) سے بلا شرکت غیرے آپ کے تصرف میں تھا۔ چنانچہ وہ موضع اپنے دونوں نواسوں مولانا محمد اسحاق اور مولانا محمد یعقوب کو عطا کیا تھا اب تک جاری ہے مولانا نصر اللہ صاحب خورجوی کہتے ہیں کہ میری عمل داری میں مہلجنہ کے سالانہ بارہ سو روپے بے کلاہ ہوتے تھے اور اب بھی وہی ہے۔<sup>۱۴</sup>

شاہ عبدالعزیز کو تحقیق اور ابطال باطل کے ”جرم“ میں اقتدار کے عتاب کا نشانہ بنا پڑا۔ جاگیر ضبط کر لی گئی اور خاندان سمیت دہلی بدر کر دیئے گئے۔ ایک گرامی نامے میں تحریر فرماتے ہیں: ”اس وقت عجیب عالم ہے کہ بلاد مسلمین پر غلبہ سکھ و مرہٹہ و جاٹ کے باعث اور ان کے اموال مسلمین کو لوٹنے اور مسلمانوں کی بے آبروئی کرنے کی وجہ سے دل و جان نے آسائش و آرام کو فراموش کر دیا ہے چنانچہ فقیر بھی مع قبائل مراد آباد آ گیا ہے۔ دو آ بے کی تمام زمین مذکورہ

قوموں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے زیروز بر ہو گئی ہے الحمد للہ فقیر اور قریہ بھلت کے ساکنین بڑے بھائی شیخ محمد صاحب قصبہ بڈھانہ میں بعزت و آبرو اور جان و مال کی سلامتی کے ساتھ ہیں۔“<sup>۱۵</sup>

نواب غازی الدین خاں کا بیان ہے کہ جب فرزند ان شاہ ولی اللہ کی حویلی ضبط کر لی گئی تو مولانا فخر صاحب نے ان حضرات کو اپنی حویلی میں ٹھیرایا غم خواری کی، حویلی واپس دلوائی اور اعزاز و اکرام کے ساتھ واپس بھیجا۔“<sup>۱۶</sup>

شاہ عبدالعزیز نے اپنی تصنیف تحفہ اثنا عشریہ ۱۷۹۰ء میں مکمل کی اور ۱۷۹۹ء میں یہ کلکتہ سے اس طرح شائع ہوئی کہ شاہ صاحب کے اصل نام عبدالعزیز کے بجائے ان کے تاریخی نام ”غلام حلیم“ سے شائع ہوئی والد کا نام بھی شاہ ولی اللہ کے بجائے قطب الدین لکھا گیا غالباً یہی وہ دور ہے یعنی اٹھارویں صدی عیسوی کا آخری عشرہ اور انیسویں صدی عیسوی کا پہلا عشرہ جب شاہ صاحب ابتلا کا ہدف تھے اس دور میں مظہر جان جاناں شہید کئے گئے (۱۷۹۰ء) کئی سال کے بعد ۱۸۰۷ء میں شاہ صاحب کی مکانات و املاکہ اگزار ہوئے۔

تصانیف:-

- (۱) تفسیر فتح العزیز، مطبوعہ
- (۲) تحفہ اثنا عشریہ فارسی مطبوعہ
- (۳) سر الشہادہ تین عربی، مطبوعہ
- (۴) بستان المحمدین مطبوعہ
- (۵) عجلہ نافعہ مطبوعہ
- (۶) حاشیہ القول الجلیل مطبوعہ
- (۷) سر الجلیل فی مسئلہ التفصیل، فارسی مطبوعہ
- (۸) وسیلۃ النجات مطبوعہ
- (۹) عزیز الاقتباس فی فضائل اخیار الناس، عربی مطبوعہ
- (۱۰) فیض عام

(۱۱) اصول مذہب حنفی

(۱۲) حاشیہ صدرا

(۱۳) حاشیہ میرزا اہد رسالہ

(۱۴) حاشیہ میرزا اہد ملاحلال

(۱۵) حاشیہ میرزا اہد امور عامہ

(۱۶) تحقیق الروایا مطبوعہ

(۱۷) میزان البلاغت، مجتہبائی دہلی ۱۳۱۳ھ

(۱۸) میزان العقائد

(۱۹) ما سبب حفظ للناظر مطبوعہ

الاحادیث الموضوعہ

حاشیہ المقدمۃ السنیہ

النیر اس شرح العقائد للنفسی

اعجاز البلاغہ

نظام العقائد

شرح ارجوزة الاصحی

قرآن السعدین والیضاح النیرین در ذکر شہادت حسین

تضمین قصیدہ شاہ ولی اللہ

فتاویٰ عزیز می مطبوعہ

شاہ عبدالعزیز نے تحفہ اثنا عشریہ کی تالیف ۱۲۰۳ھ/۱۷۹۰ء تکمیل کی اور ۱۲۱۵ھ/۱۷۹۹ء

میں وہ کلکتہ سے شائع ہوئی اور اس کے فوراً بعد تحفے میں تحریف کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ شاہ صاحب

کے ایک معتقد نے ایک خلاف عقیدہ اہل سنت عبارت تحفے کے ایک نسخے میں دیکھ کر شاہ صاحب کی

خدمت میں عریضہ لکھ کر خلش دور کرنے کی درخواست کی تو انھوں نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا:

”و تعریضات در باب معاریہ رضی اللہ عنہ ازین فقیر واقع نشدہ اگر در نسخہ از تحفہ اثنا عشریہ یافتہ شود الحاق کسے خواهد بود کہ بنا بر فتنہ انگیزی و کید و مکر کہ بنا مذہب ایشان یعنی گروہ روضہ از قدیم بر ہمیں امورست این کار کردہ باشد چنانچہ بسمع فقیر رسیدہ کہ الحاق شروع کردہ اند اللہ خیر حافظا و این تعریضات در نسخ معتبرہ البتہ نخواہد شد۔“ اللہ تعالیٰ حافظ ہے اور یہ چوٹیں معتبر نسخوں میں نہیں ہوں گی۔

حضرت معاویہ پر چوٹیں میں نے نہیں کیں اگر تحفہ اثنا عشریہ کے کسی نسخے میں ایسی عبارتیں نظر آتی ہیں تو وہ کسی نے اپنی طرف سے بڑھادی ہیں کیوں کہ روافض کے مذہب کی بنیاد شروع ہی سے فتنہ انگیزی، مکر اور فریب پر ہے۔ یہ کام بھی انہوں نے ہی کیا ہوگا۔ چنانچہ میں نے سنا ہے کہ تحفے میں بھی انہوں نے الحاق شروع کر دیا ہے (جس کا ثبوت آپ کا یہ خط بھی ہے) اللہ تعالیٰ حافظ ہے اور یہ چوٹیں معتبر نسخوں میں نہیں ہوں گی۔“

شاہ صاحب کی تفسیر فتح العزیز صرف سواتین سیپاروں کی طبع ہوئی ہے اور مشہور یہی ہے کہ اتنی ہی لکھی تھی لیکن ایک روایت یہ ہے کہ

”آپ کے ایک شاگرد مولوی یار محمد نے آپ کے درس قرآن کے کئی دوروں میں اپنے مصحف پر حواشی لکھ دئے تھے۔ وہ ان کے فرزند مولوی محمد اسحاق کے پاس موجود ہے۔ یہ مکمل قرآن شریف کی تفسیر ہے۔“<sup>۱۷</sup>

”ایک روایت یہ ہے کہ حاجی محمد حسین صاحب سہارن پوری سلمہ اللہ تعالیٰ مولوی نور اللہ صاحب سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کی ایک تفسیر فارسی تمام قرآن مجید کی اکبر آباد کے قاضی کا یہاں موجود ہے مگر چھپی نہیں۔“<sup>۱۸</sup>

مولانا حیدر علی فیض آبادی (ف ۱۸۸۱ء) نے سکندر جہاں والیہ بھوپال کی فرمائش پر فتح العزیز کا مکملہ لکھا تھا اس کتاب کا جو مخطوطہ جو مصنف کا لکھا ہوا ہے ادارہ تحقیق عربی و فارسی ٹونک میں ہے۔ اور اق ۶۶ ۷ سا ۷۱ ۷۲ نمبر ۲۰۲۔<sup>۱۹</sup>

اخلاف:

شاہ صاحب کا عقد مولوی نور اللہ بھلتی کی دختر صبیحہ سے ہوا تھا، ان سے کئی صاحب

زادے ہوئے مگر وہ نو عمری ہی میں اللہ کو پیارے ہو گئے، تین صاحب زادیاں ہوئیں (۱) عائشہ بی (۲) رحمت بی (۳) مریم بی۔

عائشہ کا عقد مولوی محمد افضل رہنکی سے ہوا تھا ان سے دو صاحب زادے اور ایک صاحب زادی ہوئی (۲) شاہ محمد اسحاق (۲) شاہ محمد یعقوب (۳) مبارک، شاہ محمد اسحاق کے دو صاحب زادے اور تین صاحب زادیاں ہوئیں۔

(۱) محمد سلیمان (۸ سال کی عمر میں وفات پا گئے) (۲) محمد یوسف (۳ سال کی عمر میں وفات پا گئے) (۳) لہۃ الرحیم (۴) لہۃ الغفور (۵) خدیجہ۔

سب سے بڑی خدیجہ کا عقد مولوی سید نصیر الدین نیرہ شاہ رفیع الدین سے ہوا تھا جو غزنی میں ۱۸۴۰ء میں شہید ہوئے ان کے دو صاحب زادے تھے عبد اللہ اور عبد الحکیم، یہ دونوں ہندوستان سے ہجرت کے ارادے سے نکلے تھے مگر عبد اللہ راستے میں سمندر میں غرق ہو گئے، عبد الحکیم مکہ معظمہ پہنچ کر پیسے کی وبا میں شہید ہوئے۔

شاہ اسحاق کی دوسری صاحب زادی لہۃ الغفور کا عقد شاہ مختتم سے ہوا تھا ان کے صرف ایک فرزند تھے مولوی عبدالرحمن۔ یہ مکہ معظمہ میں تھے۔ مولانا عبید اللہ سندھی نے شاہ ولی اللہ کی کتاب المستویٰ کا مسودہ انہی مولوی عبدالرحمن کے ورثا سے حاصل کیا تھا۔

شاہ صاحب کی تیسری صاحب زادی لہۃ الغفور کا عقد ابوالقیوم بڈھانوی سے ہوا تھا ان کے ایک دختر اور دو صاحب زادے مولوی حافظ یوسف اور حافظ محمد ابراہیم تھے۔ حافظ محمد یوسف لا ولد گئے حافظ ابراہیم کے ایک فرزند حافظ محمد اسماعیل اور دو لڑکیاں تھیں حبیبہ اور ام سلمیٰ حافظ محمد اسماعیل کے ایک فرزند تھے حافظ محمد احمد ان کے فرزند ہیں حافظ مصطفیٰ (قیوم منزل بھوپال) ام سلمیٰ کا عقد مولوی قاضی محمد شعیب (بن قاضی محمد یحییٰ بن قاضی محمد ایوب بھلتی) سے ہوا تھا ان کے صرف ایک صاحب زادے تھے مولوی محمد زبیر صدیقی۔ حبیبہ کا عقد سید عباس علی سے ہوا تھا ان سے سید جعفر علی (اہور) اور عارف علی اور غنڈرا ہیں۔

## حواشی:

- ۱۔ مولانا سید ظہیر الدین احمد نے یہ نام سید حامد لکھا ہے۔
- ۲۔ ان مرنے والے بچوں میں ایک صاحبہ تھیں دوسرے سعد الدین القول لکھی ص ۹۸-۱۷۵-۲۰۲
- ۳۔ مثنویات عزیزہ ص ۱۰۹ (اولاد کی محبت بھی عجیب چیز ہے۔ کیسے کیسے بزرگوں میں کیسی کمزوریاں درآتی ہیں)
- ۴۔ مثنویات ص ۱۳
- ۵۔ یہ منظرہ مطبع لاہور سے ۱۲۹۳ھ میں اور مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ سے ۱۳۹۷ھ میں طبع ہوا تھا۔
- ۶۔ مقالات طریقت ص ۲۸
- ۷۔ ایضاً ص ۲۸
- ۸۔ مولانا ابوالکلام آزاد، نقش آزاد، لاہور ۱۹۵۸ء
- ۹۔ مقالات طریقت ص ۲۹
- ۱۰۔ ایضاً
- ۱۱۔ ایضاً
- ۱۲۔ ایضاً
- ۱۳۔ ایضاً ص ۱۳
- ۱۴۔ ایضاً ص ۲۶
- ۱۵۔ مکتوب شاہ عبدالعزیز، ماہنامہ الفرقان لکھنؤ ۱۹۶۵ء
- ۱۶۔ مناقب فخریہ ص ۱۶ مطبع احمدی دہلی
- ۱۷۔ مقالات طریقت ص ۳
- ۱۸۔ مقالات طریقت ص ۲۳۰
- ۱۹۔ خزینہ مخطوطات، مولانا عمران خاں، نوٹک

## شاہ رفیع الدین

ولادت ۱۱۶۳ھ/۱۷۴۹ء، وفات ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۸ء پورا نام رفیع الدین عبدالوہاب والد کی وفات کے وقت ۱۲، ۱۳ سال کے تھے، اور میڈی پڑھتے تھے۔ باقی کتابیں بڑے بھائی شاہ عبدالعزیز اور ماموں شاہ محمد عاشق سے پڑھیں، شاہ عبدالعزیز نے اپنے ایک مکتوب (۱۱۷۹ھ) بنام شاہ ابوسعید رائے بریلوی میں لکھا تھا۔ ”رفیع الدین بفضل الہی تحصیل علوم سے فارغ ہو گئے ہیں اور مجلس علما و فقرا کے سامنے ان کے دستار تبرک باندھی گئی اور درس کی اجازت دے دی گئی۔ الحمد للہ بہت سے طلبہ ان سے مستفید ہو رہے ہیں“ پھر جب شاہ عبدالعزیز نے اشد ادعوارض اور اضمحلال قوی کی بنا پر تدریس ترک کر دی تو ان کے اسباق شاہ رفیع الدین کے سپرد ہوئے اور مدرسے کی صدارت کا بار انھی نے اٹھایا۔ نصف صدی سے زیادہ عرصے تک یہ سرگرم افادہ و تدریس رہ کر ہزاروں فضلاء پیدا کئے۔ شاہ رفیع الدین کو اپنے بھائیوں میں امتیاز حاصل تھا کہ انھیں معقولات سے بھی شغف تھا ملفوظات عزیز میں ان کے ریاضیات میں تاجر کے سلسلے میں کئی ملفوظ ہیں ایک بار فرمایا ”مولوی رفیع الدین کو میرے ہزاروں شاگردوں میں سے خاص مرتبہ حاصل ہے ریاضیات میں تو انھیں موجد کا درجہ حاصل ہے، ایک بار فرمایا فن ریاضی میں مولوی رفیع الدین کی مثال ہندو ولایت میں نہیں ملے گی۔“

شاہ عبدالعزیز کی نظر میں شاہ رفیع الدین کا جو مقام رفیع تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اپنی تفسیر فتح العزیز میں حملۃ العرش من وعن نقل کر دی ہے۔ ایک بار ایک ارادت مند نے عرض کی کہ میں نے خواب میں سورج کو غروب ہوتے دیکھا ہے شاہ عبدالعزیز نے جواب

دیا ”آفتاب تو غروب ہو گیا شاہ رفاع الدین چل بے“۔<sup>۲</sup>

شاہ رفاع الدین کو بیعت ارشاد شاہ محمد عاشق سے تھی۔

شاہ صاحب نے مدرس کے ساتھ تصنیف و تالیف کی طرف بھی مناسب توجہ فرمائی اور اگرچہ ایک کتاب کے علاوہ باقی تصانیف رسائل و مختصر کے ذیل میں آتی ہیں لیکن اپنے مواد و مشتملات کی نوعیت، ندرت موضوعات اور بحر انہ انداز بیان کی بنا پر وہ بیش قیمت ہیں، شاہ صاحب کی تصانیف نثر میں بھی ہیں اور نظم میں بھی فارسی میں بھی ہیں اور اردو میں بھی۔

اردو

(۱) ترجمہ کلام اللہ، یہ ترجمہ آپ نے ۱۲۰۵ھ میں مکمل فرمایا مگر عبدالرحیم ضیا کا جو اسی

دودہ والا کے منقبین میں سے ہیں بیان ہے کہ<sup>۳</sup>

ترجمہ: ”تحت اللفظی قرآن بعض کہتے ہیں کہ آپ نے شروع کیا تھا مگر ناتمام رہا، دوسروں نے تمام کر کے آپ کے نام سے شہرت دی۔“

ضیا کے اکثر بیانات منی بر حقیقت پائے گئے ہیں اس لیے ان کے اس انکشاف کو ہم بے اصل اور ناقابل التفات قرار نہیں دے سکتے، خصوصاً اس لیے بھی کہ اس خاندان کے اکثر علما کے ساتھ یہ معاملہ کیا گیا ہے اور ان کی تحریروں میں تحریف و تغیر اور اس سے سوائے کہ ان کی طرف اپنی مصنفہ کتابوں کو نسبت و شہرت دینے میں ایک گروہ کو یہ طوطی حاصل ہے۔ ہم نے ایک مستقل مضمون میں ان کے تحریفات و اضافات کی نشان دہی کی ہے۔

(۳) تفسیر رسمی، سورہ بقرہ کی اردو تفسیر ہے جو شاہ صاحب کے درس قرآن کی تقاریر پر

مشتمل ہے۔ یہ تقاریر شاہ صاحب کے ایک مرید سید نجف علی معروف بہ فوج دار خاں نے قلم بند کی تھیں اور بقول خود شاہ صاحب سے اصلاح بھی کروائی تھی، یہ تفسیر فوج دار خاں کے بیٹے سید عبدالرزاق نے ۱۲۷۲ھ میں مطبع نقشبندی سے شائع کی تھی، تفسیر پر عبدالرزاق نے جو پیش لفظ لکھا تھا اس میں نہ صرف تفسیر بلکہ ترجمے کے متعلق بھی صراحت کی تھی کہ یہ دونوں شاہ صاحب کے



نہیں ہیں بلکہ ان کے والد فوج دار خاں نے لکھے ہیں۔<sup>۴</sup>

”والد بزرگ وار نے بخدمت۔۔۔۔۔۔ مولوی رفیع الدین رحمہ اللہ کے عرض کیا تھا کہ میں چاہتا ہوں کہ ترجمہ کلام اللہ تحت لفظی آپ سے پڑھ کر زبان اردو میں لکھوں پھر آپ ملاحظہ فرما کر اصلاح دے کر درست فرما دیا کریں چنانچہ آپ نے قبول فرمایا اور تمام کلام اللہ اسی طرح سے مرتب ہوا اور رواج پایا اس صورت سے تفسیر سورہ بقرہ کے بطور فائدوں کے تمام وکمال مفصل و شرح لکھی تھی اور موسوم بہ تفسیر رفیعی کیا۔“

مندرجہ بالا بیان سے عبدالرحیم ضیا کے اس بیان کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے جو ہم نے ترجمہ قرآن کے سلسلے میں نقل کیا تھا آپ محسوس کریں گے کہ ضیا کے بیان میں وزن ہے۔

## فارسی

(۱) رسالہ اذان نماز کی تالیف محرم ۱۲۲۰ھ

(۲) رسالہ فوائد نماز

(۳) رسالہ حملۃ العرش

(۴) شرح رباعیات

(۵) بیعت

(۶) شرح چہل کاف صفر ۱۲۲۰ھ

(۷) شرح برہان العاشقین (رسالہ معما) تالیف ۱۳ جمادی الاخریٰ ۱۲۲۰ھ

(۸) نذور بزرگان

(۹) جوابات سوالات اثنا عشر

مندرجہ بالا ۹ رسائل کا مجموعہ مولوی سید احمد نے مطبع احمدی سے شائع کیا تھا پھر

۱۳۸۱ھ/۱۹۶۳ء میں مولانا عبدالحمید سواتی نے مدرسہ نصرۃ العلوم گجرانوالہ پاکستان سے شائع کیا۔

(۱۰) مجموعہ فتاویٰ شاہ رفیع الدین مطبع مجتہبی دہلی سے ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء میں اور مدرسہ

نصرۃ العلوم گجرانوالہ سے ۱۳۸۱/۱۹۶۳ء میں شائع ہوا۔

- (۱۱) آثار قیامت (قیامت نامہ) مطبوعہ  
 (۱۲) تنبیہ الغافلین مطبع احمدی، پتھرہ، ہوگلی، کلکتہ  
 (۱۳) رسالہ، سمت قبلہ  
 (۱۴) رسالہ، تعذیلات الخمسة المختبرہ

## عربی

- (۱) اسرار الحجبہ مولوی عبدالحمد سواتی نے تحقیق و تصحیح کے ساتھ مدرسہ نصرۃ العلوم گجرانوالہ سے ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۵ء میں شائع فرمایا۔  
 (۲) تفسیر آیۃ النور، تحقیق و تصحیح مولانا عبدالحمید سواتی ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۳ء  
 (۳) تکمیل الاذبان، تالیف ۱۳۳۰ھ تحقیق و تصحیح مولانا سواتی۔ ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۵ء  
 (۴) مقدمتہ العلم ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۵ء  
 (۵) دمع الباطل، شاہ ولی اللہ کے مکتوب مدنی کے جواب میں حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے ارشاد پر مولانا غلام یحییٰ بہاری (ف ۱۷۶۷ء) نے رسالہ کلمتہ الحق لکھا تھا، شاہ رفیع الدین نے کلمتہ الحق کے جواب میں دمع الباطل تصنیف فرمایا تھا، یہ ضخیم کتاب مولانا عبدالحمید سواتی کی سعی سے مدرسہ نصرۃ العلوم سے شائع ہوگئی ہے۔  
 (۶) رسالہ فی اثبات شق القمر و ابطال براہین الحکمۃ،  
 (۷) رسالہ فی تحقیق الالوان  
 (۸) رسالہ فی الحجاب  
 (۹) رسالہ فی برہان التمانع  
 (۱۰) حاشیہ بر میرزا ہد رسالہ  
 (۱۱) الدرر الدراری  
 (۱۲) رسالہ فی المنطق  
 (۱۳) رسالہ فی امور العامہ

(۱) قصیدہ عینیہ در رد قصیدہ شیخ الرئیس

(۲) قصیدہ معراجیہ

(۳) تخمیس بر قصیدہ شاہ ولی اللہ در بیان حقیقت نفس

۱۲۳۳ھ ۱۸۱۸ء میں وصال فرمایا۔ اس سال دہلی میں جو بواء ہیضہ پھیلی تھی اس سے

شاہ رفیع الدین بھی متاثر ہوئے۔ جب مرض نے شدت اختیار کر لی تو شاہ عبدالعزیز نے تبارک و تعالیٰ کی تلاوت کا حکم دیا۔ جب وفات واقع ہو گئی تو عزیزوں کو تسلی دی اور خدام کو حکم دیا کہ والد ماجد کے پائیں میں نے جو جگہ اپنے لیے مخصوص کی تھی وہاں قبر تیار کرو جب جنازہ باہر آیا تو روتے ہوئے جنازے کو کاندھا دیا اور نماز جنازہ ادا کر کے جنازے کو رخصت کیا اور خود بعد میں (شاید سواری پر) مقبرہ پہنچے۔ قبر تیار ہو رہی تھی۔ جنازے کے قریب والد کی قبر پاس بیٹھ گئے مراقب ہو گئے دفن کے بعد خود بھی مٹی دی اور فاتحہ پڑھ کر رخصت ہوئے۔ شہر آ کر زانے میں گئے وہاں سے واپس (مردانے) آ کر لوگوں کو وداع کیا اور تلقین صبر کی اور فرمایا ان سے چار رشتے تھے (۱) حقیقی بھائی تھے (۲) والد مرحوم نے فرمایا تھا کہ یہ تیرا بیٹا ہے (۳) میری دایا کا انھوں نے دودھ پیا تھا (۴) شاگرد تھے۔ یہ بھی فرمایا کہ ہم چاروں (حقیقی) بھائیوں کی رحلت میں ترتیب منعکسہ واقع ہوئی۔ سب سے پہلے سب سے چھوٹے بھائی مولوی عبدالغنی گئے ان کے بعد ان سے بڑے مولوی عبدالقادر ان کے بعد ان سے بڑے مولوی رفیع الدین اب میری، جو ان سب سے بڑا تھا باری ہے۔“

فاتحہ سوم میں مجمع کثیر جمع ہو گیا تھا کیا سی بار سے زیادہ کلام اللہ ختم ہوا شاہ دہلی اکبر شاہ

ثانی کی طرف سے شاہ زادہ سلیم و بابر و جوان بخت نے مجلس میں شرکت کی اور نذریں پیش کیں۔ ۵

اخلاف

شاہ صاحب نے تین شادیاں کیں اور ان سے بارہ اولادیں ہوئیں (۱) محمد عیسیٰ

(۲) محمد مصطفیٰ (۳) مخصوص اللہ (۴) محمد حسین (۵) محمد موسیٰ (۶) امۃ اللہ (۷) دختر (۸) دختر (۹) دختر (۱۰) محمد حسن (۱۱) تقیہ (۱۲) نقیہ (ذکیہ) ان میں پہلے چھ پہلی بیوی سے اور سات سے نو تک دوسری بیوی اور دس سے بارہ تک تیسری بیوی سے ہیں۔

ان میں سب سے بڑے مولوی عیسیٰ تھے ان کا پہلا عقد شاہ عبدالعزیز کی بیٹی سے ہوا تھا، دوسری بیوی کے بیٹے مولوی عبدالواحد ان کے بیٹے مولوی عبدالرحمن (ولادت ۱۸۴۴) ان کے بیٹے عزیز الرحمن (۱۹۰۲ء) ان کے بیٹے نور الرحمن (ولادت ۱۹۲۹ء) اور وسیم الرحمن و فہیم الرحمن و اکبر الرحمن و بصیر الرحمن و صحیف الرحمن ہوئے۔

مولوی موسیٰ کی ایک بیوی سے ایک بیٹی فاضلہ اور دوسری بیوی سے ایک بیٹے عبدالسلام ہوئے۔

مولوی مصطفیٰ شاعر بھی تھے اور تحیر تخلص کرتے تھے۔ ان کا عقد شاہ عبدالقادر کی بیٹی زینب سے ہوا تھا ان سے صرف ایک بیٹی جمیلہ ہوئیں جن کا عقد شاہ محمد اسماعیل سے ہوا، شاہ محمد اسماعیل کے صرف ایک لڑکے ہوئے شاہ محمد عمر، جن کا انتقال ۱۲۶۸ھ میں ہوا۔

محمد حسن کی اولاد ایک لڑکے احمد حسن اور چند لڑکیاں تھیں۔ احمد حسن کی بیٹی مولوی علاء الدین پھلتی کو بیاہی تھیں مولوی علاء الدین کی بیٹی مولوی احمد علی (فرزند مولانا محمد علی مونگیری بانی ندوہ) کو بیاہی تھیں۔

امۃ اللہ کا عقد سید نجم الدین سونی پتی سے ہوا تھا ان کی ایک لڑکی شاکرہ (زوجہ قمر الدین منت) اور دو لڑکے سید ناصر الدین، سید نصر الدین ہوئے، سید نصر الدین، ناصر الدین کے بیٹے معز الدین اور معین الدین ہوئے بیٹی نصیرہ تھیں۔ معز الدین کے بیٹے مولوی سید ظہیر الدین احمد ہوئے۔ سید نصیر الدین کا عقد شاہ محمد اسحاق کی دختر سے ہوا تھا ان سے دو صاحب زادے عبدالحکیم اور عبداللہ ہوئے۔

نقیہ کے دو بیٹے ہوئے عبدالوہاب اور عبدالرحمن یہ لوگ ۱۲۸۳ھ تک حیات تھے۔

شاہ رفیع الدین کی طرف اردو رسالہ راہ نجات منسوب کر کے بارہا شائع کیا گیا ہے مگر

شاہ رفیع الدین کا نہیں ہے، یہی رسالہ شاہ عبدالعزیز اور مولوی محمد علی پانی پتی کی طرف منسوب کر کے بھی بارہا شائع کیا گیا ہے، ممکن ہے مولوی محمد علی کا ہو مگر شاہ رفیع الدین کا ہے نہ شاہ عبدالعزیز کا۔

حواشی:

(۱) القرآن لکھنؤ ۱۹۶۵ء

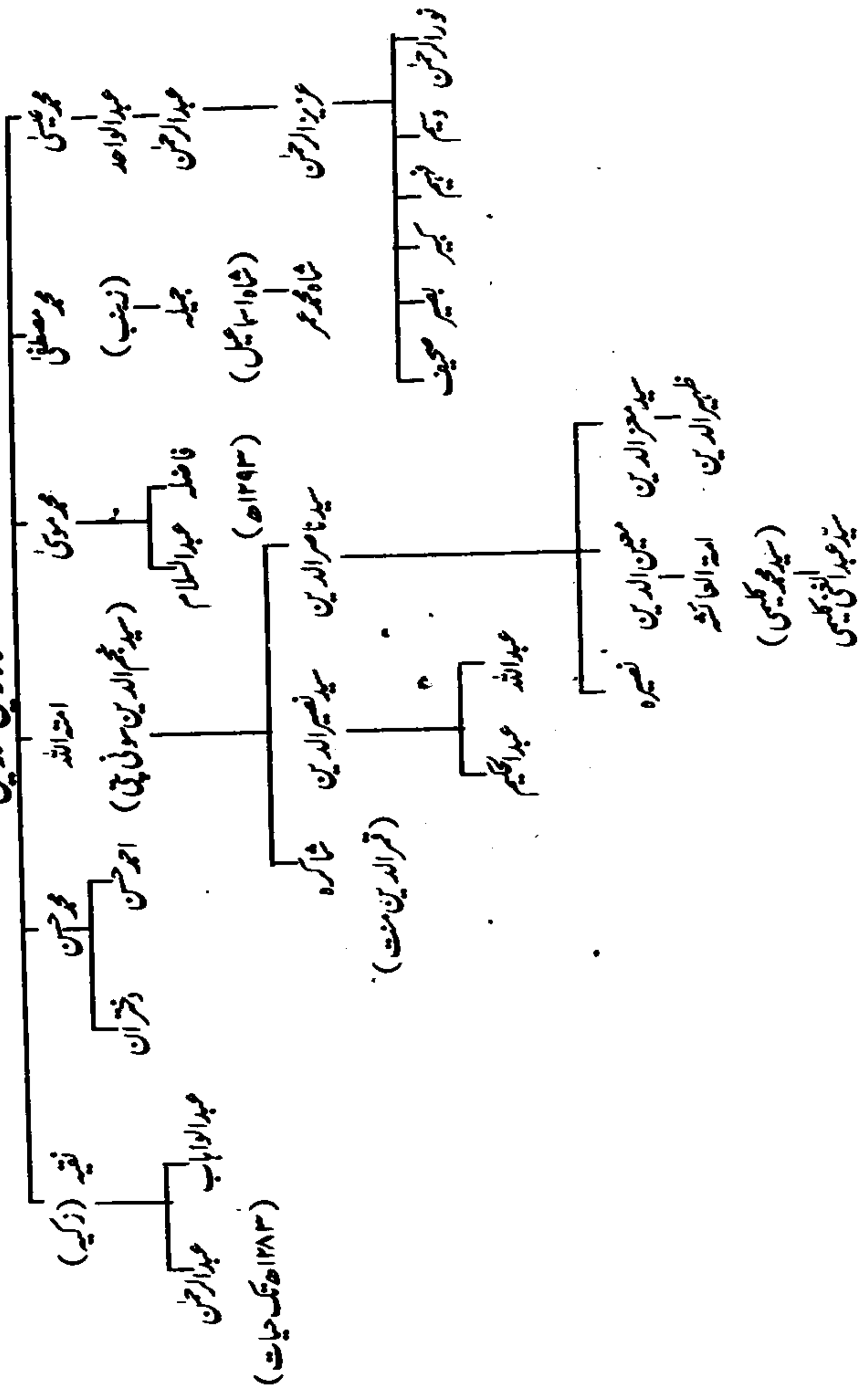
(۲) ملفوظات عزیزی ص ۳۰-۶۲

(۳) مقالات طریقت ص ۱۸

(۴) ڈاکٹر مولانا عبدالملیم چشتی، پینات کراچی، رمضان ۱۳۶۲ھ

(۵) ملفوظات عزیزی ص ۸۰-۸۳-۸۳

## شاہ رفیع الدین



## شاہ عبدالقادر

ولادت ۱۱۶۷ھ/۱۷۵۳ء

پورا نام معین الدین عبدالقادر

والد کی وفات (۱۱۳۱ھ) کے وقت صرف نو سال کے تھے اور صرف میر پڑھتے تھے، تحصیل علوم شاہ محمد عاشق، اور دوسرے علمائے کی۔ بیعت ارشاد شاہ عبدالعدل دہلوی سے کی۔

”تمام عمر اکبر آبادی مسجد کے ایک حجرے میں بسر کر دی“ (سر سید) ۱

مسجد کے ایک حجرے میں رہتے اور ہفتے میں ایک روز (چہار شنبے کو) شاہ عبدالعزیز اور دوسرے اعزہ سے ملنے مکان آیا کرتے تھے۔

۱۲۰۵ھ میں قرآن مجید کا اردو ترجمہ مکمل کیا اس کا تاریخی نام ”موضح قرآن“ ہے۔ یہ ترجمہ پہلی بار عبداللہ بن بہادر علی ۱۲۳۵ھ کے مطبع احمدی ہوگی (بنگال) سے شائع ہوا تھا۔ پھر مولوی سید شاہ جہاں داماد میاں نذیر حسین دہلوی نے ۱۳۰۷ھ میں اس میں اضافات کر کے شائع کیا چنانچہ مولوی سید ظہیر الدین ولی اللہی نے اس خاندان کی جن جعلی کتابوں کی نشان دہی کی ہے ان میں تحفۃ الموحدین اور ابلاغ المسبین اور تفسیر مولانا شاہ عبدالقادر معروف بہ موضح القرآن بھی ہے۔

سید عبدالحی نے شاہ صاحب کے ایک اردو رسالے تقریر الصلوٰۃ کا نام بھی لیا ہے۔ ۲  
شاہ صاحب سے بکثرت علما نے استفادہ کیا، مولانا فضل حق خیر آبادی، مولانا

صدرالدین آزرده شاہ اسماعیل شہید، شاہ محمد اسحاق، شاہ محمد یعقوب دہلوی جیسے اکابر فضلاء عصر آپ کے شاگرد تھے۔

آپ کی جسمانی یادگار صرف ایک صاحب زادی زینب تھیں جن کا عقد آپ نے اپنے بھتیجے مولوی مصطفیٰ فرزند شاہ رفیع الدین سے کیا تھا، ان سے ایک بیٹی ہوئیں جمیلہ جن کا عقد شاہ محمد اسماعیل سے ہوا، ان سے صرف ایک فرزند شاہ محمد عمر پیدا ہوئے تھے جن کا انتقال ۱۲۶۸ھ میں ہوا۔ مولانا آزاد لکھتے ہیں:

” (حواشی موضح القرآن میں) ضعیف قصوں اور اسرائیلی روایتوں سے انہوں نے احتراز نہیں کیا مثلاً ہاروت و ماروت کی کہانی اور طالوت کا اس طرح منتخب ہونا کہ ایک لکڑی کے گز کے پیمانے سے ٹھیک اترے حال آں کہ قرآن کہتا ہے ”بسطہ فی العلم والحسم“ وغیرہ ذلک، ان کے بعض حواشی نے منکرین اسلام کے اعتراض کو قوی موقع دیا مثلاً الم تشرح میں وَوَضَعْنَا عَنكَ وَزْرَكَ (آیت ۴) ترجمہ کرنا کہ گناہوں کا بوجھ دور کر دیا، پادری فنڈرنے آں حضرت کی عصمت کے خلاف اس سے تشبیہ کیا تھا۔

حواشی:

(۱) آثار الصنادید ص ۲۶۹

(۲) الثقافة الاسلامیة فی البند، طبع بیروت ص ۱۱۸

(۳) مکاتیب ابوالکلام، ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہاں پوری ص ۱۹۷



## شاہ عبدالغنی دہلوی

پورا نام رضی الدین عبدالغنی ولادت ۱۷۱۱ھ۔ شاہ ولی اللہ کے وصال کے وقت پانچ سال کے تھے، تعلیم کے متعلق صرف اتنا معلوم ہے کہ قرآن حفظ کر لیا تھا اور فارسی کا نصاب شروع ہونے والا تھا یہ تحقیق نہیں ہے فراغت بھی حاصل کی تھی یا نہیں؟

شاہ عبدالغنی کا عقد مولوی علاء الدین پھلتی کی دختر بی بی فضیلت سے ہوا تھا جن کا سفر حج کے دوران ۱۸۲۲ء میں انتقال ہوا، تین بچے ہوئے (۱) شاہ محمد اسماعیل ولادت ۱۹۳ھ (۲) رقیہ (۳) ام کلثوم، شاہ عبدالغنی کا انتقال ایک روایت کے مطابق ۱۲۰۳ھ میں ہوا تھا۔

”آپ بڑے صاحب کشف و کرامت، عارف کامل، زاہد پرہیز گار تھے“۔

مشہور ”افسانہ نویس“ محمد جعفر تھانیسری نے لکھا ہے کہ شاہ عبدالغنی سید احمد شہید سے بیعت ہوئے تھے حال آنکہ سید احمد صاحب شاہ عبدالغنی کی وفات کے وقت صرف ڈھائی ماہ کے تھے۔ تھانیسری نے شاہ عبدالعزیز کو بھی سید صاحب سے بیعت کا آرزو مند بتایا ہے موصوف کا یہ بھی بیان ہے کہ وہ بزرگ آخر میں مجنون ہو گئے تھے“

شاہ اسماعیل کا عقد شاہ عبدالقادر کی نواسی جمیلہ سے ہوا تھا جن سے صرف ایک صاحب زادے شاہ محمد عمر پیدا ہوئے تھے۔ بی بی رقیہ کا عقد شیخ کمال الدین بن محمد معشوق بن

علاء الدین پھلتی سے ہوا تھا شیخ کمال الدین کی وفات کے بعد ان کا نکاح شاہ اسماعیل نے  
 نکاح بیوگان کی تحریک کے دوران مولوی عبدالحی بڈھانوی سے کر دیا تھا۔<sup>۴</sup>  
 شاہ عبدالغنی کی چند صاحبزادیاں ۱۳۱۱ھ میں بقید حیات تھیں۔<sup>۵</sup>

حواشی:

(۱) مکتوب شاہ عبدالعزیز ماہنامہ الفرقان لکھنؤ ۱۹۶۵ء

(۲) مقالات طریقت ص ۲۳

(۳) سوانح احمدی ص ۲۹۵، طبع کراچی

(۴) مخزن احمدی از سید احمد علی رائے بریلوی ص ۴۵

(۵) مقدمہ فتاویٰ عزیزی از مرزا محمد بیگ دہلوی ص ۱۲

شاہ ولی اللہ کے اخلاف و احفاد

## شاہ محمد اسحاق دہلوی

شاہ محمد اسحاق دہلوی، شاہ عبدالعزیز کے بڑے نواسے، خلیفہ اور جانشین تھے۔ خان وادہ ولی اللہی کے آخری عظیم و جلیل رکن، انیسویں صدی عیسوی کے بیشتر خدام حدیث نبوی کے شیخ تھے۔ شاہ ولی اللہ نے برسوں پہلے اپنے احفاد کے دائرہ فیض کی وسعت کی جو پیش گوئی کی تھی، اس کے مصداق شاہ اسحاق ہی تھے۔ ہم شاہ محدث کی حیات اور ان کے علوم پر ایک مبسوط کتاب تالیف کر چکے ہیں اس لیے یہاں ان کی حیات کا ایک خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔

والد کا نام شیخ محمد افضل، ولادت ۱۷۸۲ء، تعلیم شاہ عبدالعزیز اور شاہ عبدالقادر سے حاصل کی۔ حجاز میں شیخ عمر بن عبدالکریم مکی سے بھی سند حدیث لی۔ تربیت باطن بھی نانا اور شاہ عبدالقادر سے حاصل کی اور شاہ عبدالعزیز سے سلسلہ قادریہ میں بیعت کی۔ تعلیم سے فراغت ۱۸۰۸ء میں حاصل کی اور معاً بعد مدرسہ رحیمیہ میں تدریس کی مسند پر رونق افروز ہو گئے اور مسلسل ۴۰ سال درس دیتے رہے۔ ۱۸۲۳ء میں نانا کی وفات کے بعد ان کے جانشین ہوئے۔

۱۸۲۴ء میں فریضہ حج ادا کرنے کے لیے تشریف لے گئے اور دو سال بعد ۱۸۲۶ء میں واپس ہوئے۔ اس سفر میں حج و زیارت کے علاوہ وقت کے محدث شیخ عمر بن

عبدالکریم سے سند حدیث بھی حاصل کی۔ مراجعت کے بعد ۱۶ سال درس وارشاد وافتا میں مصروف رہے اور ۱۸۴۲ء میں دہلی سے مکہ معظمہ ہجرت فرما گئے۔ وہاں بھی اطاعت وریاضت کے علاوہ درس وارشاد کا شغل جاری رہا۔ جو احرام میں چار سال اور چند ماہ قیام کے بعد ۱۸۴۵ء میں وصال فرمایا اور اہم المومنین سیدنا خدیجہ کے مزار مبارک کے جوار میں مدفون ہوئے۔

شاہ صاحب نے مشکوٰۃ شریف کا اردو ترجمہ کیا جس کا ایک مطبوعہ نسخہ پروفیسر ایوب قادری کے ذخیرے میں تھا۔ شاہ صاحب کا ایک مختصر رسالہ شعب الایمان خاکسار نے حیات شاہ اسحاق میں شائع کر دیا ہے۔

شاہ صاحب کے دو صاحب زادے ہوئے محمد سلیمان جو ۸ سال کی عمر میں وفات پا گئے دوسرے محمد یوسف جو چار سال کی عمر میں گذر گئے۔ تین لڑکیاں لمتہ الرحیم، لمتہ الغفور، خدیجہ۔ خاکسار نے شاہ صاحب کی مفصل سوانح حیات شاہ محمد اسحاق شائع کر دی ہے۔

حواشی:

۱۔ مقالات طریقت ص: ۲۳ و مقدمہ فتاویٰ عزیز مرزا محمد بیگ ص: ۱۲

## شاہ محمد یعقوب دہلوی

شاہ عبدالعزیز کے نواسے اور شاہ محمد اسحاق کے چھوٹے بھائی، صرف چھوٹے بھائی ہی نہیں، ہم خیال و ہم مسلک تھے، زندگی بھر رفیق و شریک حال رہے۔

اسم گرامی محمد یعقوب اور عرف چھوٹے میاں تھا۔ ولادت ۲۸/۲۸/۱۲۰۰ھ  
 ۱۷۸۶ء، تحصیل علوم زیادہ تر شاہ رفیع الدین سے کی، ضیا کا بیان ہے کہ تین سبق شرح ملا  
 کے حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ سے پڑھے ہیں۔ اکثر علوم شاہ رفیع الدین سے حاصل  
 کئے، تفسیر جلالین شاہ عبدالعزیز سے ان کی چہل قدمی کے دوران پڑھی، سند شاہ عبدالعزیز  
 نے عطا فرمائی۔ فراغت کے بعد اپنے بزرگوں کے مدرسے میں درس دینے لگے۔ ۱۲۳۰ھ/  
 ۱۸۲۳ء میں اپنے بڑے بھائی کے ساتھ فریضہ حج ادا کیا واپسی پر درس کا سلسلہ جاری رہا۔  
 ۱۲۵۸ھ/۱۸۴۲ء میں یہ پورا گھرانہ ہند کے دارالحرب سے مکہ معظمہ ہجرت کر گیا، وہاں بھی  
 درس و ارشاد کا سلسلہ جاری رہا۔ ۲۳ برس جواریت اللہ میں قیام کے بعد ۲۸/۲۸/۱۲۹۲  
 ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۷ء کو وصال فرمایا۔

آپ سے علوم دینیہ اور فیض باطن حاصل کرنے والوں میں سے نواب صدیق  
 حسن خاں، مولانا مظفر حسین کاندھلوی، مولوی عبدالعزیز جعفری، ملا عبدالقیوم بڈھانوی،  
 حاجی امداد اللہ مہاجرکی، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا محمد زماں (شہید ۱۲۹۲ھ)، شیخ محمد  
 محدث تھانوی، خواجہ احمد بن یاسین نصیر آبادی، مولوی محمد سعید عظیم آبادی جیسے رجال اعلم و عمل

ہیں اور حاجی منیر خاں رئیس خانپور، سکندر شاہ، عبدالرحیم نگینہ ساز، نعمت خاں (خادم خاص) وغیرہ جیسے بکثرت اشخاص بھی آپ سے متمتع ہوئے۔ ان حضرات میں سے مولانا قاسم سلکا بیان ہے کہ مولانا محمد یعقوب صاحب قلب کے اندر جو نہایت باریک چور ہوتے ہیں ان سے خوب واقف تھے۔

مولف سوانح احمدی نے آپ کو سید احمد شہید کا مستفید و مرید اور ان کا خلیفہ بتایا ہے یہ اگرچہ عقلاً مستبعد نہیں ہے مگر مولف موصوف نے شاہ عبدالعزیز کے گھرانے کے بارے میں اس قدر غلط بیانیاں کی ہیں کہ اس کی کسی بات کا بغیر سند کے اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ خود شاہ محمد یعقوب نے ہمیشہ اپنے فخر روزگار نانا ہی کے دامان تربیت سے وابستگی کو اپنے لیے باعث فخر و لائق ذکر سمجھا۔ چنانچہ ان کے ایک مسترشد شیخ محمد محدث تھانوی تحریر فرماتے ہیں:

”اور ۱۲۶۳ھ میں فقیر کو بعد شرف بیعت و صحبت اپنے بمقام مکہ معظمہ شرفیاء

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا مولوی محمد یعقوب مہاجر کی نواسہ اور خلیفہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہ نے اجازت تمام اذکار و اعمال و اشغال جملہ طریقوں کی جو ان کو حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز قدس سرہ سے پہنچے تھے مع خرقہ کرتہ شریف اپنے کے ومع سند مہری علم حدیث اور علم تفسیر و فقہ و اصول حدیث اور تصوف..... بطا فرمائی۔“

شاہ محمد یعقوب کو اگرچہ شاہ محمد اسماعیل کے طرز فکر اور مسلک سے اتفاق نہیں تھا مگر ان بزرگوں کے اختلافات حدود میں ہوتے تھے۔ چنانچہ ادھر فریقین میں معاشرتی روابط خوش گوار تھے ادھر خاص تحریک جہاد بالکفرہ میں شاہ محمد یعقوب اور ان کے برادر مکرم نے ممکن اعانت کی، امیر شاہ خاں کا بیان ہے کہ شاہ اسماعیل نے حج کو روانہ ہونے سے قبل خاص خاص علماء کی ایک مجلس طلب کی تھی جس میں شاہ محمد یعقوب بھی شامل تھے، ان حضرات سے شاہ اسماعیل نے تقویت الایمان کے انداز بیان کے سلسلے میں مشورہ کیا تھا۔

مجاہدین کی ہجرت کے بعد ہندوستان میں اعانت مجاہدین کا کام انہی دونوں بھائیوں نے سنبھالا تھا، پورے ملک سے جو قافلے آئے وہ انہی بھائیوں سے مل کر اور ہدایت لے کر آگے بڑھتے۔ سرحد سے جو ہدایات آتی تھیں وہ انہیں بھائیوں کی وساطت سے آتیں۔ زراعت کی فراہمی اور اسے مجاہدین تک پہنچانے کی ذمہ داری بھی انہی کی تھی، چنانچہ اس سلسلے میں سید صاحب کے متعدد خطوط ان حضرات کے نام ہیں، خطوط جن حالات میں لکھے جاتے تھے اور قاصد جن راستوں سے گزرتے تھے ان کی وجہ سے کتاب اور مکتوب الیہ کے اسماء صراحتہ نہیں لکھے جاتے تھے اور عموماً القاب اس قسم کے ہوتے تھے۔

شیخین جلیلین للدرایۃ عینین وللرویتہ اذنین وللسماحمہ یدین  
وللشہادۃ عضدین وللعبادۃ قدمین وللہدایتہ علمین اکبرہما فلاریب فی انہ  
شجرۃ غائرۃ الاصول والاعراق ناضرۃ الغصون والاوراق واما اصفرہما  
فلاشک انہ ثمرۃ طعمہا مرغوب وریحہا محبوب

یا

الی کریم الاخلاق طیب الاعراق فاتح الاغلاق والی اخیہ  
محبوب ذی الخلق المرغوب

یا

ناصران بکلمۃ اللہ ناصحان لدین اللہ اما اکبرہما فلاشک انہ  
نقی الاعراق صفی الاخلاق وصی الآفاق واصفرہما فلاریب انہ ذوالخلق  
المرغوب مطہر ادناس العیوب

مولوی سید نصیر الدین مجاہد کے ایک خط سے تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شاہ محمد یعقوب کا سندھ کی طرف ہجرت کا ارادہ تھا، مولوی سید نصیر الدین لکھتے ہیں:

”برائے مہاجر ت بھائی یعقوب ملک سندھ بسیار خوب است۔“

مجاہدین و مہاجرین ہند میں ایک گروہ مولوی سید محبوب علی کی قیادت میں سید صاحب سے بغاوت کر کے جب سرحد سے لوٹ آیا تھا اور دہلی میں تحریک جہاد کے خلاف جدوجہد میں مصروف تھا تو تحریک جہاد بہت متاثر ہو گئی تھی کیونکہ ادھر مجاہدین کے قافلوں میں رکاوٹ پیدا ہو گئی تھی، ادھر مادی اعانت بند ہو گئی تھی، اس فتنہ کو رفع کرنے اور دوبارہ یہ سلسلہ شروع کرنے کا سہرا انھی دونوں بھائیوں کے سر ہے۔

افسوس ہے کہ ان دونوں بھائیوں کو نظر انداز کر دینے، فراموش کر دینے اور ان کی خدمات کو بھلا دینے کی منظم و متحدہ سعی کی گئی ہے، اس لیے ان حضرات کی سوانح کے صرف چند گوشے بمشکل اور اوراق تاریخ میں محفوظ رہ گئے ہیں۔ خسرال، اولاد، تصانیف، مہتر شہیدین و مستفیدین غرض پوری زندگی کو او جھل کر دیا گیا ہے ورنہ ان دکھوں پر اور ان کرام کا مرتبہ اس سے ظاہر ہے کہ شاہ ولی اللہ نے جو پیش گوئی کی تھی کہ اگرچہ میرے فرزند بھی مبارک ہیں اور ان میں نیکی ظہور پذیر ہوگی۔

مگر تدبیر غیب کا تقاضا یہ معلوم ہوتا ہے کہ دو اور ہستیاں پیدا ہوں گی جو مدتوں مکہ اور مدینہ میں علوم دینی کی ترویج کریں گی اور وہیں رہیں گی اور یہ دونوں ہستیاں اپنی ماں کے رشتے سے مجھ سے متعلق ہوں گی۔

تو نواب صدیق حسن خاں کے بقول اس کے مصداق شاہ اخلق و شاہ یعقوب ہو سکتے ہیں۔

سرسید احمد خاں نے اپنے دور کے جن خاصان دہلی کے ذکر جمیل سے آثار الصنادید کے اوراق کو زینت دی تھی، ان میں شاہ محمد یعقوب بھی تھے، لکھتے ہیں:

علم و فضل میں بھی کم پایہ نہیں رکھتے تھے الا خلق جمیل وصفات جزیل اور قناعت و استغنا میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جب کوئی بطور ہدیہ پیش کش کچھ ایسا کچھ قبول نہ کیا جو سرمایہ اپنے پاس رکھتے ہیں اس میں



بسر اوقات کرتے ہیں خواہ بہ تنگی اور خواہ بہ وسعت اور حسب استعداد اپنے مال کی زکوٰۃ نکالتے رہتے ہیں۔ اس کم استعدادی میں توفیق ایسے امور خیر کی ایسے ہی مردان خدا کا کام ہے، آپ نے ہمراہ اپنے برادر مرحوم کے ہندوستان سے ہجرت کی اور مکہ معظمہ میں توطن اختیار کیا جب تک شاہ جہاں آباد میں رہے گوشہ عزلت میں پابدا من رہتے تھے اور ابناء روزگار کی طرف کبھی رجوع نہ رکھتے تھے اور یہی حال ہے اس بلاد میں کہ کچھ وجہ قلیل میں جو کسی کسب حلال سے بہم پہنچتا ہے اپنی اوقات گزر کرتے ہیں اور اوقات شبانہ روزی کو عبادت خالق زمین و آسماں میں بسر کرتے ہیں۔ حق جل و علیٰ ایسے زبدۂ اہالی روزگار کو تادیر بسلامت رکھے کہ اپنے خاندان عالی شان کے یادگار ہیں۔ آمین یا رب العالمین۔“

سر سید نے جو ”کسی کسب حلال“ کا ذکر کیا ہے اس کی وضاحت مقالات طریقت کے اس بیان سے ہوتی ہے کہ

”کہتے ہیں کہ مکان میں فرصت کے وقت ریشم کھولا کرتے تھے۔“

شاہ عبدالعزیز کے ایک ملفوظ سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ محمد یعقوب روزانہ ایک پارہ دوبار پڑھا کرتے تھے۔ اس طرح ایک ماہ میں دوبار بیک وقت قرآن مجید ختم کرتے تھے۔

”میاں یعقوب فرزند من۔۔۔ در ہر شب یک پارہ در مدرسہ خواندہ باز در خانہ مع جماعت ہوں پارہ می خواند تا کہ معاد و قرآن شریف پس و پیش یک دور و ختم می کنند“

یعنی ”میرے بیٹے میاں یعقوب روزانہ رات کو ایک سی پارہ باہر مدرسہ سے میں پڑھتے ہیں اور پھر گھر میں جماعت کے ساتھ وہی پارہ پڑھتے ہیں اس طرح دو قرآن مجید ایک دور روز کے آگے پیچھے ایک ماہ میں ختم کرتے ہیں۔“

نقات کہتے کہ استعداد ظاہر کا یہ حال تھا کہ کبھی کوئی آیت کے معانی بیان کرتے تو وہ مضامین عالی بیان فرماتے کہ سامعین حیران و ششدر ہ جاتے۔ پہروں وہی بیان چلا جاتا

قوت باطن کا یہ حال کہ ادھر سبق حدیث شریف وغیرہ کا بھی ہو رہا ہے، ادھر توجہ بھی جاری ہے۔ یہ اس کو مانع وہ اس کو مزاحم نہیں۔ امانت داری ایسی کہ یعقوب امین مشہور تھے۔ سکندر شاہ دہلوی کہتے ہیں کہ ”ایک شخص آپ کے پاس دو سو قرص مسی امانت لایا اور کہا یہ رکھیے، آپ نے فرمایا الماری میں رکھ دو، اس نے نام نشان اپنا کر دیا، آپ نے نام لکھ کر دھر دیا، ایک مدت کے بعد آ کر اس نے طلب کیا آپ دیدیئے (آپ نے دیدیا) کہا کہ کھول کر بتائیے۔ فرمایا کہ تم نے بھی کھول نہیں بتلایا تھا، جس طرح رکھا تھا اسی طرح رکھا ہوا ہے، وہ تکرار کرنے لگا اور کہا کہ یہ تو قرص ہیں میں تو ریال رکھا تھا (رکھے تھے)۔ آپ نے فرمایا جو آپ نے رکھا تھا وہی ہے، خیال نہ رہا ہوگا۔ خوب یاد کیجئے پر اس نے (وہ) اسی طرح تکرار کرنے لگا، آپ نے اس کو ایسا ہی آہستگی اور نرمی سے تین بار سمجھایا جب دیکھا وہ نہیں مانتا تو مکان سے جا کر دو سو ریال لا کر دیا (دیئے) اور فرمایا کہ یہ بھی لے جاؤ خیر مجھ کو سہو ہوا ہوگا، مگر کسی وجہ سے چیلنجیں نہ ہوئے۔“

حضرت کی عائلی زندگی کی تفصیل دست یاب نہیں ہوئیں، صرف یہ معلوم ہوا ہے کہ وصال کے وقت آپ کی دختر، داماد مرزا امیر بیگ اور نواسے مولوی خلیل الرحمن صاحب تہ موجود تھے۔ امیر الروایات میں حاجی امداد اللہ مہاجر کی کے بیان کروہ ایک واقعہ میں ”مولوی محمد یعقوب کے داماد مرزا امیر بیگ“ کا ذکر آیا ہے، اس پر مولانا اشرف علی تھانوی نے حاشیہ ۱۱ میں لکھا ہے کہ میں نے بھی والد مرحوم کے ہمراہ مکہ معظمہ میں ان کی زیارت کی تھی۔

مقالات طریقت ۱۸۷۴ء میں تالیف کی گئی تھی۔ اس وقت تک مولوی خلیل الرحمن بقید حیات تھے، اس پورے سو سال میں اس نسل سے کون کون اٹھا؟ ان آنے والوں کو رحیمی، ولی اللہی اور عزیز ذی دل و دماغ اور سیرت و کردار سے کتنا حصہ ارزانی ہوا؟ رحیمی مسند درس کسی نہ کسی شکل میں اب بھی آباد ہے یا نہیں؟ تلقین و ارشاد کے خاکستر میں کوئی چنگاری اب بھی باقی ہے یا نہیں؟ کاش کسی ذریعے سے یہ معلوم ہو سکے!

مولف مقالات طریقت نے حاجی حافظ کریم بخش سے روایت کی ہے کہ شاہ یعقوب نے حضرت شاہ عبدالعزیز کا یہ قول نقل فرمایا تھا کہ ہماری اولاد مکہ معظمہ میں جا بے گی اور حضرت امام مہدی سے ملے گی۔ اس پر مولف لکھتے ہیں سبحان اللہ حضرت کی آل مولانا مولوی عبدالرحمن صاحب نواسے شاہ حضرت اسحاق کے اور جناب مولوی خلیل الرحمن صاحب سلمہا تعالیٰ نواسے مولانا یعقوب صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ کے اب حاضر ہیں، دوسری بات (لقاء امام مہدی) پر بھی خدائے جل و علیٰ قادر ہے۔<sup>۱۲</sup>

شاہ صاحب کے وصال کی تفصیل یوں بیان کی گئی ہے<sup>۱۳</sup>:

سکندر شاہ صاحب کہتے ہیں کہ میں حضرت کی تجہیز و تکفین میں حاضر تھا، یہاں تک کہ اپنے ہاتھوں سے میں اور امیر بیگ صاحب اور عبدالرحیم نگینہ ساز اور نعمت خاں حضرت کے خادم خاص نے قبر میں اتارا ہے، جمعہ کے دن بھی نماز صبح آپ نے تیمم سے ادا کی اور اشراق و چاشت بھی پڑھی، دوپہر ڈھلے جب حرم محترم میں اذان ہوئی اسی وقت روح پر فتوح جانب ملاء اعلیٰ پرواز کی۔ عصر کی نماز کے بعد جنت المعلیٰ میں حسب وصیت آپ کی بی بی کی قبر میں قریب مزار پر انوار مولانا اسحاق صاحب قدس سرہ کو دفن کیا گیا، جنازے کی نماز کی ایسی کثرت ہوئی کہ تمام حرم کی دوکانیں بند ہو گئیں کھڑے رہنے کو بدشواری جائے (جگہ) ملتی تھی، حرم شریف سے جنت المعلیٰ تک اتنی خلقت تھی کہ قدم اٹھانا مشکل تھا، جنازے کو ہاتھ نہیں پہنچتا تھا، ہزار ہا عرب بو سے لے رہے تھے جس قدر امانتیں کہ تھیں سب لکھوادیں اور فرمایا کہ میں ریال نقرئی میرے تکیے کے تلے ہیں، اس سے تجہیز و تکفین ہووے کچھ دھوم دھام اور تکلف ضرور نہیں، اس طرح عمل ہوا، حافظ سورتی مہتمم مساجد بھوپال نے آپ کی تاریخ وصال اس آیت کریمہ سے نکالی ہے: الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون۔

خلیل الرحمن کے بیٹے زکریا اور ان کے بیٹے یحییٰ تھے، یحییٰ بھوپال پھلت بڈھانہ کنی

سال رہے پھر ۱۹۴۸ء میں مکہ معظمہ چلے گئے، ۱۹۶۱ء تک حیات اور محلہ شاہیہ مکاں ۳۷۳ میں رہتے تھے۔

## حواشی

- (۱) مقالات طریقت ص ۴۳ و مقدمہ فتاویٰ عزیزی مرزا محمد بیگ ص ۱۲
- (۲) مقالات طریقت ص ۲۳۳، امیر الروایات ص ۱۵۰ و بعد ۱۳۶، اور ارشاد محمدی از محدث تھانوی ص ۳
- (۳) مقالات ۱۲۳۶، امیر الروایات (۳) امیر الروایات ص ۱۵۱ (۲) ارشاد محمدی ص ۳ مطبع محبوب مطالع میرٹھ  
۱۳۰۸ھ (تالیف ۱۲۷۷ھ)
- (۵) جماعت مجاہدین ص ۵۴
- (۶) جماعت مجاہدین ص ۱۵۱
- (۷) مقالات طریقت ص ۲۳۳۔ (۸) ملفوظات شاہ عبدالعزیز ص ۷۷ مطبوعہ میرٹھ
- (۹) مقالات طریقت ۲۳۳ متولف کی زبان و محاورہ دیکھنی ہے (۱۰) مقالات طریقت ص ۲۳۰۔
- (۱۱) امیر الروایات ص ۲۳۳
- (۱۲) مقالات طریقت ۵۴ (۱۳) مقالات طریقت ۲۳۶

## شاہ مخصوص اللہ

فرزند شاہ رفیع الدین، مدرسہ رحیمیہ کے عالی مرتبت مدرس، شاہ عبدالغنی فاروقی  
مجددی کے استاذ گرامی۔

تعلیم و تربیت والد ماجد اور دونوں چچاؤں سے حاصل کی بیعت شاہ عزیز سے  
سلسلہ قادریہ میں کی۔

عہدِ تعلم ختم کر کے اپنے آبائی دارالعلوم میں تفسیر و حدیث کے درس کا منصب  
اختیار کیا اور طویل عرصہ تک اس فرض کو بحسن و خوبی انجام دیتے رہے۔ شاہ محمد اسحاق کی  
ہجرت حرم کے بعد تدریس کے ساتھ مدرسہ کے اہتمام کا بار بھی اپنے بھائی شاہ محمد موسیٰ کے  
ساتھ اٹھایا۔ ۱۷۹۰ء سے شاہ عزیز کی وفات تک مسلسل ۲۵ سال ان کے درس قرآن کی  
مجالس میں تلاوت قرآن مجید کرتے رہے۔

مولانا ”بڑے صاحب کمال، علم ظاہر و باطن میں بے مثال تھے۔“ (ص ۱۸  
مقالات طریقت) آپ کے اوقات ایسے مجموع تھے کہ شاید سلف صالحین کے زمرہ میں اولیاء  
کرام کے اوقات ہوں گے۔“ (ص ۳۳۸ حیات ولی طبع اول)

”ایک مدت دراز تک تعلیم و تدریس میں مصروف رہے..... آخر میں گوشہ نشین  
ہو گئے اور اولیاء کرام کی سی زندگی بسر کرنے لگے اور بجز عبادت الہی اور تقویٰ کچھ کام نہ  
رہا۔“ (ص ۵۸۹ واقعات دارالحکومت دہلی) از بس کہ طبیعت عبادت دوست اور مزاج

دہاوت پرست واقع ہوا ہے، ایک عرصہ ہوا کہ سررشتہ تدریس کو ہاتھ سے دے کر گوشہ نشین ہیں۔“ (ص ۴۷ تذکرہ اہل دہلی طبع کراچی)

منشی محمد جعفر تھانیسری نے سوانح احمدی میں شاہ مخصوص اللہ کو سید احمد شہید کے مریدین میں محسوب کیا ہے، یہ افتراء محض ہے، اس لیے کہ اس قول میں کوئی مورخ اس کا ہم نوا نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس مورخین نے انھیں اپنے عم عالی مقام شاہ عبدالعزیز کا مرید بتایا ہے جن کے سید احمد شہید بھی مرید تھے۔ پھر اس نے تو ان کے چچا شاہ عبدالغنی فرزند شاہ ولی اللہ کو بھی سید صاحب کا مرید لکھ دیا ہے جو سید صاحب کی ولادت کے دو دہائی سال بعد وفات پا گئے گویا شاہ عبدالغنی سے رائے بریلی جا کر گہوارے میں سید صاحب سے بیعت کی تھی، اور یہی نہیں اس نے شاہ عبدالعزیز کو بھی سید صاحب سے بیعت ہونے کا متمنی اور آرزو مند بتایا ہے۔ تا بدیگر اں چہ رسد!

اس انفراد پر مستزاد یہ کہ موصوف نے سید صاحب کے حادثہ شہادت کے ایک سال بعد اس عالم آب و گل میں پہلا سانس لیا تھا اور حادثہ کے ۶۴ سال بعد سوانح احمدی تالیف فرمائی تھی۔

شاہ مخصوص اللہ، سید صاحب کے مرید ہونے کے بجائے ان کی جماعت کے اساطین شاہ محمد اسماعیل لور مولوی عبدالحی بڈھانوی کے وہابیانہ رجحانات کے شدید مخالف تھے، انھوں نے تقویت الایمان کے جواب میں معید الایمان لکھی تھی، وہ جامع دہلی کے تاریخی مناظرہ کے نہ صرف شریک بلکہ پُر جوش فریق تھے۔ اس مناظرہ کے آغاز ہی میں جب مولوی عبدالحی نے دریافت کیا کہ

”تم لوگ یہاں کیوں آئے ہو؟“

تو شاہ مخصوص اللہ نے جواب دیا تھا:

”ہم بموجب حکم خدا کے آئے ہیں کہ حق ظاہر ہو جائے۔“ پھر جب مناظرہ

کے ۱۳ ویں سوال (بدعت) پر گفتگو شروع ہوئی کہ بدعت حسن بھی ہو سکتی ہے یا نہیں؟ تو مولوی عبدالحی نے کہا تھا ”اصل ہر بدعت کی بد ہوتی ہے۔“

اس پر مولانا مخصوص اللہ نے پوچھا کہ جس بدعت کی وجہ حسن و قبح ظاہر نہ ہو وہ کیا ہے۔ اس کے جواب میں مولوی عبدالحی نے کہا سیئہ۔ شاہ مخصوص اللہ نے کہا: اس تقدیر پر بدعت اور مباح میں فرق کیا ہے؟“ اس سوال پر مولوی عبدالحی ساکت ہو گئے۔

منشی تھانیسری نے غالباً شاہ مخصوص اللہ کی قلمی و عملی سرگرمیوں کی توجیہ کے لیے تحریر فرمایا ہے کہ یہ ”بزرگ آخر میں مجنون ہو گئے تھے۔“ مطلب یہ ہے کہ مرید ہونے کے باوصف ان کی تحریک کے خلاف یہ سرگرمیاں اور یہ جوش و جذبہ بر بنائے جنون و اختلال حواس تھا، گویا جو کام صحت دماغ کا ثبوت اور ثبات عقل و ہوش کا نشان ہے وہی منشی تھانیسری کی نظر میں جنون ٹھہرا اور ہمیں حسرت کا مصرع یاد دلا گیا

خرو کا نام جنوں پڑ گیا، جنوں کا خرد

شاہ مخصوص اللہ کا وصال ۱۳ رزی الحجہ ۱۲۷۱ھ (۵-۱۸۵۶ء) کو ہوا۔ اپنے آبائی

مقبرے مہندیوں میں دفن کئے گئے۔

شاہ مخصوص اللہ جیسے بزرگوں کے سوانح حیات کے بیش تر گوشے ظلمت میں ہیں، کہاں عقد ہوا تھا، جسمانی یادگاریں کتنی چھوڑیں؟ کوئی تفصیل بھی معلوم نہ ہو سکی۔ بس مولوی بشیر الدین نے مہندیوں میں مدفونین کی فہرست میں شاہ مخصوص اللہ اور ان کی اہلیہ کو بھی شمار کیا ہے۔

## حواشی

۱۔ ص ۲۹۵ سوانح احمدی، طبع کراچی

۲۔ ایضاً۔ ص ۱۵۵، ص ۲۹۵

۳۔ ایضاً ص ۱۲۱،

۴۔ تہافت الوبابیہ از مفتی عبدالحفیظ آگرہ ص ۲، سیف الجبار از مولانا فضل رسول بدایونی ص ۴۸

۵۔ سیف الجبار، ص ۵۴

۶۔ سوانح احمدی، ص ۲۹۵

۷۔ الیافع الجنتی، (محمد بن یحییٰ الحسن التریہتی) ص ۶۰ طبع دہلی و مقدمہ فتاویٰ عزیز ی، ص ۱۲



## شاہ محمد موسیٰ دہلوی

شاہ رفیع الدین کے فرزند گرامی شاہ محمد موسیٰ ولی اللہی خاندان کے متاخرین میں ایک نمایاں شخصیت تھے۔

آپ کا سن ولادت تو نظر سے نہیں گزرا لیکن امیر الروایات ہمیں یہ روایت درج ہے کہ آپ عمر میں شاہ محمد اسماعیل سے بڑے تھے اس لیے آپ ۱۱۹۳ھ/۱۷۷۹ء سے قبل پیدا ہوئے ہوں گے جو شاہ محمد اسماعیل کا سن ولادت ہے۔

علوم ظاہر و باطن کی تعلیم و تربیت اپنے والد ماجد اور عمین مکرین سے حاصل کی اور اپنے اسلاف کی شہرہ آفاق درس گاہ میں تدریس کی خدمت انجام دینے لگے، شاہ عبدالعزیز کے وصال (۱۸۲۳ء) کے بعد مدرسہ رحیمیہ کا نظم ان کے نواسے اور جانشین شاہ محمد اسحاق نے سنبھال لیا تھا، ان کی ہجرت حجاز (۱۲۵۸ھ) کے بعد شاہ محمد موسیٰ پر تدریس کے ساتھ نظم کا بار بھی آپ کا جسے یہ حتی الوسع نبھاتے رہے، تا آن کہ تقریباً ستر سال کی عمر میں ۱۲۵۹ھ (۱۸۴۳ء) کو اس جہاں سے اُس جہاں جا بسے اور مدرسہ رحیمیہ کی تقریباً ڈیڑھ سو سالہ تاریخ کا آخری ورق لوٹ دیا گیا۔

شاہ محمد موسیٰ کے وصال کے بعد ان کے صغیر السن صاحب زاوے میاں عبدالسلام اور ایک صاحب زادی ان کی یادگار رہ گئے تھے، میاں عبدالسلام کسی بزرگ اور سرپرست کے

نہ ہونے کی بنا پر حصول علم کی دولت سے محروم رہ گئے اور یوں ایک مرکز علم و حکمت سے علم و حکمت کا سلسلہ منقطع ہو گیا، بلکہ نہ جانے کن اسباب کی بنا پر نسل ہی تقریباً منقطع ہو گئی اور ۱۹۱۹ء میں مولوی بشیر الدین احمد دہلوی نے ”واقعات دارالحکومت“ تالیف کی تو ”اس خاندان میں سوائے ایک خاتون عفت مآب کے کوئی نام لیوا اور پانی دیوانہ رہا“ تھا۔

شاہ محمد موسیٰ اور ان کی صاحبزادی اپنے مقبرہ اسلاف مہندیوں میں محو خواب ہیں۔  
 وہابیت کے رد میں دو رسالے آپ کی یادگار ہیں مگر دونوں غیر مطبوعہ ہیں (۱) حجتہ العمل فی ابطال الجہل، فارسی زبان میں۔ یہ رسالہ ۶۰ اوراق (۱۲۰ صفحات) پر مشتمل ہے اور اختتام تالیف کی تاریخ ۱۷ ربیع الاول ۱۲۴۲ھ (۱۸۲۶ء) ہے۔ پروفیسر محمد ایوب قادری فرماتے ہیں کہ یہ رسالہ ان کی نظر سے گزرا ہے۔ مولانا فیض احمد بدایونی نے اپنے رسالہ فیض عام میں اس رسالے کے تقریباً تین صفحات نقل کئے ہیں۔ مولانا بدایونی کا بیان ہے کہ شاہ محمد موسیٰ نے ایک رسالہ ”در تحقیق استعانت“ بھی لکھا تھا۔

ملفوظات شاہ عبدالعزیز میں دو مختلف مواقع پر شاہ محمد موسیٰ کے سوال اور شاہ عزیز کے جواب درج ہیں، ان میں سے پہلا سوال یہ ہے کہ جسد بے روح پانی پر تیرتا رہتا ہے اور زندہ جسم تہ آب بیٹھ جاتا ہے، حال آں کہ روح ایک لطیف ترشے ہے، یہ کیوں؟ شاہ عزیز کے متوقع جواب سے قطع نظر، شاہ موسیٰ کا یہ سوال کرنا بڑا ہی افسوس ناک اور ندامت انگیز ہے، کیوں کہ یہ سوال ہمارے علماء کی علوم طبیعیہ سے ناواقفی اور بے تعلقی کا پردہ در ہے۔ جدید نصاب ہزار نقائص کے باوصف اس باب میں اس قسم کے نقائص سے پاک ہے اور ایک میٹرک کا طالب علم بھی اس سوال کے صحیح اور شافی جواب سے واقف ہوتا ہے۔

دوسرے سوال کا جواب خاندان رحیمی کے تبرکات کے سلسلے میں ہمارے علم میں اضافہ کرتا ہے۔ شاہ موسیٰ نے دریافت کیا تھا کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ کے عہد میں کون سا خط راج تھا؟ شاہ عزیز نے جواب دیا کہ خط عقیلی راج تھا پھر حضرت علیؑ نے خط کوئی ایجاد

کیا۔ چنانچہ میرے پاس حضرت علیؑ کے ہاتھ کی جتنی تحریریں ہیں اور حضرت امام حسنؑ کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن مجید جو مسجد (?) میں ہے، خط کوئی میں ہے۔

شاہ صاحب کے اس ارشاد میں مسجد سے مراد اگر مدرسہ رحیمیہ کی مسجد نہیں بلکہ جامع مسجد یا کوئی اور مسجد ہو تو بھی حضرت علیؑ کی تو کئی تحریروں کو شاہ صاحب نے خود اپنی ملک فرمایا ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ تحریریں اور دوسرے نوادراور تبرکات اب کہاں ہیں؟ ظاہر ہے کہ یہ سب چیزیں شاہ محمد اسحاق کو منتقل ہوئی ہوں گی جو شاہ اسحاق نے اپنی ہجرت حرم کے وقت اگر یہیں چھوڑ دی تھیں، تو کس کے پاس؟ اور اس سے پھر کس کے پاس منتقل ہوتی رہیں؟ اور اگر ساتھ لے گئے تھے (اور یہی قرین قیاس ہے) تو اب یہ سب چیزیں کہاں ہیں؟ کسی ایک شخص کے پاس محفوظ ہیں؟ یا کسی دور میں تقسیم ہو گئیں؟ اگر ایک جا متفرق طور پر محفوظ ہیں تو اہل اور قدر شناس اور مرتبہ داں حضرات کی ملک میں ہیں؟ یا ہماری بد قسمتی سے معاملہ اس کے برعکس ہے؟ شاہ اسحاق کے نواسوں عبداللہ اور عبدالکلیم (فرزند ان مولوی نصیر الدین دہلوی) اور عبدالرحمن (فرزند شاہ محتشم اللہ) اور شاہ محمد یعقوب کے داماد مرزا امیر بیگ اور نواسے مولوی خلیل الرحمن کا قرن ماضی کے اواخر تک پتہ چلتا ہے، ان حضرات کے اخلاف اب بھی حجاز میں ہوں گے، یہ تو ممکن ہے کہ ان میں سے کوئی بھی اب علم و فضل سے بہرہ یاب نہ ہو، مگر یہ کیا ضرور ہے کہ یہ سب لوگ دنیاوی و مادی حیثیت سے بھی بے حیثیت اور گم نام ہوں، دہلوی محدثین کے ارادت مندوں میں سے جو حضرات حج و عمرہ کی توفیق پاتے ہیں وہ اگر اپنے دوران قیام حرمین شریفین میں ان حضرات کی بھی تلاش کر سکیں اور ان نوادراور تبرکات کے متعلق بھی معلومات کر سکیں تو صرف خاندان رحیمی کی بلکہ علم دین کی بھی اہم خدمت ہوگی۔

شاہ عبدالعزیز اور ان کے بھائیوں کے اخلاف و تلامذہ میں فکر و نظر کے اختلاف اور مذہب و مسلک کے تعدد نے دو گروہ پیدا کر دیئے تھے۔ ایک گروہ جس کے سربراہ شاہ محمد اسماعیل شہید تھے شخص معین کی تقلید کے وجوب کا منکر اور کسی حد تک محمد بن عبدالوہاب نجدی کا

ہم نواتھا اور دوسرا گروہ شاہ عبدالعزیز کے مسلک کا قبیح حنفیت پر مطمئن و مصرح حکم بالکفر والشک کے باب میں محتاط تھا۔ مختصر یہ کہ جادۂ اعتدال سے منحرف نہیں ہوا تھا، شاہ محمد موسیٰ اسی دوسرے گروہ کے حامی و ناصر تھے، علامہ فضل حق خیر آبادی نے جو حزب عزیزی کے گویا قائد و نقیب تھے، شاہ محمد اسماعیل کے قشدانہ افکار و نظریات کے رد میں سبقت کی اور تحقیق الفتویٰ فی رد اہل الطغویٰ کے نام سے ایک مفصل رسالہ میں دلائل عقلی و نقلی کے ساتھ شاہ شہید کار دیکھا تو اس کے آخر میں جن ولی اللہی اور عزیزی علماء و فضلا کے دست خط تھے، ان میں شاہ محمد موسیٰ بھی تھے، پھر یہ اختلاف ان دونوں گروہوں کو شاہ جہاں کی مسجد جامع میں منعقد ایک مجلس مناظرہ میں لے گیا تو اس میں بھی شاہ موسیٰ نمر گرم نظر آتے ہیں۔ ۲۹ ربیع الثانی ۱۲۳۰ھ (۱۸۲۳ء) کو مسجد جامع میں جو مجلس مناظرہ برپا ہوئی تھی مولانا فضل رسول بدایونی نے اس کی مفصل روداد کو قلم بند کر کے اوراق تاریخ میں محفوظ کر دیا ہے، اس مناظرہ میں شاہ موسیٰ اور مولوی عبدالحی بڑھانوی کے درمیان یوں مکالمہ ہوا تھا:

”مولوی موسیٰ نے کہا کہ تم ہمارے استادوں کو برا کہتے ہو۔ بولے (مولوی عبدالحی) کہ ”میں نہیں کہتا“ مولوی موسیٰ نے کہا کہ یہ ”ایسے نئے مسئلے بناتے ہیں کہ ان سے برائی استادوں کی ثابت ہوتی ہے۔“ پوچھا کہ وہ کیا ہے؟ کہا کہ مثلاً قبر کے بوسے کو شرک کہتے ہو اور ہمارے اکابر اس کے مباشر ہوتے تھے۔ مولوی عبدالحی نے انکار کیا، کسی نے کہا کہ لکھ دو تا کہ تمہارے اوپر جھوٹ باندھنے والوں کی تکذیب ہو جائے، مولوی عبدالحی نے کانپتے ہاتھوں سے لکھ دیا ”بوسہ دہندہ قبر مشرک نیست۔“

## حواشی

- ۱۔ امیر الروایات (حکایات اولیاء) طبع کراچی ص ۸۶
- ۲۔ واقعات دارالحکومت دہلی ص ۵۹۰ حصہ دوم، آگرہ ۱۹۱۹ء
- ۳۔ ترجمہ تذکرہ علماء ہند ص ۵۹۲
- ۴۔ رسالہ فیض عام ص ۱۳۴
- ۵۔ ایضاً
- ۶۔ مخطوطات عزیز ص ۲۵
- ۷۔ مخطوطات عزیز ص ۱۰۰
- ۸۔ سیف الجبار ص ۵۴

## ملا عبد القیوم بڈھانوی

ملا عبد القیوم، مولوی عبدالحی (واماد شاہ عبدالعزیز) کے فرزند تھے۔ ولادت ۱۲۳۱ھ / ۱۸۱۵ء صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں مولوی نصیر الدین شافعی نے، جلالین، ابن ماجہ، نسائی اور علم القرائن، شاہ محمد یعقوب سے پڑھیں اکثر صحاح ستہ مولوی سید محبوب علی سے کچھ ہدایہ مفتی محمد مراد سے، باقی فقہ، بخاری شریف، کچھ بیضاوی، معالم التنزیل، مدارک، درمنثور، صحاح ستہ، قول جمیل، حزب البحر، حصن حصین، مستدرک حاکم، دارقطنی، دارمی وغیرہ سب کچھ شاہ محمد اسحاق سے پڑھا، ۱۲۳۲ھ / ۱۸۲۷ء میں جب مولوی عبدالحی کا وصال ہو گیا تو سید صاحب نے ان کو ہند بھیج دیا تاکہ والدہ کا غم غلط ہو۔

مولوی عبد القیوم، سید صاحب کے ایک مرید شیخ محمد عظیم سے بیعت تھے ان ہی کے ساتھ کچھ دن کے لیے ٹونک بھی گئے تھے پھر جب شاہ محمد اسحاق ہجرت کر کے مکہ معظمہ جانے لگے تو یہ بھی ان کے ساتھ مکہ معظمہ چلے گئے وہاں سے سکندر جہاں والیہ بھوپال نے انھیں بھوپال بلا لیا اور مفتی بنا دیا، جاگیر بھی پیش کی، ملا نے ۱۲۹۹ھ / ۱۸۸۲ء میں وصال فرمایا۔

ملا عبد القیوم کے ایک شاگرد اور خالہ زاد بھائی قاضی محمد ایوب (۱) پھلتی قاضی بھوپال، میرے جد بزرگ مولانا حکیم سید برکات احمد کے شیخ حدیث تھے اس طرح میرا

سلسلہ حدیث بھی ملا عبدالقیوم سے ملتا ہے، قاضی محمد ایوب کو ملا عبدالقیوم نے ہی مہلت سے بھوپال بلا کر اپنا جانشین بنایا تھا۔

حکیم نور الدین نے جو پہلے صحیح العقیدہ پھر محمدی (غیر مقلد) پھر احمدی (قادینی) ہوا، صحیح بخاری اور ہدایہ ملا عبدالقیوم سے پڑھی تھی۔ حکیم نور الدین کا بیان ہے کہ بھوپال سے رخصت ہوتے وقت میں نے مولوی صاحب سے درخواست کی کہ مجھے نصیحت فرمائیں جس پر عمل کر کے میں بہت خوش رہوں، مولوی صاحب نے فرمایا خدا نہ بنا اور رسول نہ بنا، استفسار پر مولوی صاحب نے فرمایا خدا تم کس کو کہتے ہو؟ عرض کی خدا کی ایک صفت فعال لہا یرید بھی ہے مولوی صاحب نے فرمایا بس یہی ہمارا مطلب ہے یعنی تمہاری خواہش پوری نہ ہو تو نفس سے کہو تم کوئی خدا ہو، رسول کو اللہ کی طرف سے حکم آتا ہے وہ یقین کرتا ہے کہ اس کی نافرمانی سے لوگ جہنم میں جائیں گے اس لیے اس کو بہت رنج ہوتا ہے تمہارے فتوے کو اگر کوئی نہ مانے تو یقینی جہنمی تھوڑا ہی ہو سکتا ہے لہذا تم کو اس کا رنج نہیں ہونا چاہیے۔

ملا عبدالقیوم کا عقد شاہ محمد اسحاق کی بڑی دختر امۃ الرحیم سے ہوا تھا ان سے دو صاحب زادے محمد یوسف اور حافظ مولوی محمد ابراہیم تھے، عبدالرحیم<sup>۲</sup> ضیا کا بیان ہے کہ دونوں متقی، پرہیزگار، ذی علم و وقار اپنے خاندان کے یادگار ہیں، مولوی ذوالفقار احمد نے الروض<sup>۳</sup> المسطور میں لکھا ہے کہ مولوی محمد یوسف مثل اپنے والد ماجد مرحوم کے درس حدیث میں مشغول رہتے ہیں، نہایت صالح و متدین ہیں۔

مولوی محمد یوسف کے ایک صاحب زادے محمد سلیمان تھے ان سے ایک صاحب زادی امۃ الرحیم (اے آرخاتون) ہیں جن کے صاحب زادے اقبال اور فصیح الدین اور صاحب زادیاں زینب اور زہرہ ہیں۔

مولوی محمد ابراہیم کے صاحب زادے حافظ محمد اسماعیل تھے اور دو لڑکیاں ام حبیبہ (زوجہ سید عباس علی) جن کے لڑکے جعفر علی (مدیر شرق لاہور) اور عارف علی، عبدالحی

اور عذرا ہیں، دوسری لڑکی ام سلمیٰ (زوجہ مفتی محمد شعیب مفتی بھوپال ۱۹۶۲ء)، ان کے لڑکے مولوی محمد زبیر صدیقی (۱۹۷۸ء) تھے۔

حافظ محمد اسماعیل کے ایک صاحب زادے پروفیسر حافظ محمد احمد (ف ۱۹۷۸ء) تھے ان کے صاحب زادے احمد مصطفیٰ صدیقی ہیں، احمد مصطفیٰ صاحب نے میری کتاب توجہ سے پڑھ کر اغلاط و تسامحات پر توجہ دلائی اور معلومات میں اضافہ کیا، موصوف کے پاس چند تحریریں ہیں۔

(۱) ملا عبدالقیوم نے خاندان ولی اللہی کے حالات قلم بند کر دیئے تھے

(۲) شجرہ مرتبہ قاضی مفتی محمد یحییٰ (ف ۱۹۳۱ء) بن قاضی مفتی محمد ایوب

(۱۸۹۷ء) قاضی بھوپال۔

(۳) شجرہ مرتبہ حکیم رفیع الدین

احمد مصطفیٰ صاحب نے اپنے خاندانی کتب خانے کے چند نوادریں ایک فہرست

بھی بھیجی ہے:

(۱) رسالہ اصطلاحات اصول فقہ از شاہ اسماعیل شہید۔ صفحات ۴ کاتب ملا

عبدالقیوم

(۲) رسالہ فوائد متعلقہ علم حدیث تقریر از مولوی نصیر الدین اسفانا

کاتب ملا عبدالقیوم صفحات ۳۸ شغبان ۱۲۵۳ھ

(۳) رسالہ دربارہ ترکہ (میراث) کاتب ملا عبدالقیوم صفحات ۲۱

(۴) احادیث نادرہ مسند الجن و مسند الخضر از شاہ ولی اللہ۔

صفحات ۳۶ کاتب ملا عبدالقیوم ۲۳ رزی الحجہ ۱۲۵۳ھ

(۵) الدر الثمین از شاہ ولی اللہ کاتب ملا عبدالقیوم ۲۰ رزی الحجہ ۱۲۵۳ھ

(۶) الفضل المبین از شاہ ولی اللہ کاتب ملا عبدالقیوم ۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۲۵۵ھ



ملا عبد القیوم کی ایک تالیف (ملفوظات حضرت علی) کا اردو میں ترجمہ کر کے قاضی مفتی عبدالعلی صاحب پھلتی نے ۱۹۹۲ء میں شائع فرما دیا تھا۔

ٹونک کے ادارہ تحقیق عربی و فارسی کے کتب خانے میں جامع صغیر کا اردو ترجمہ ہے (ACC-NO 284) جسے ملا عبد القیوم نے والی ٹونک کو بامنیہ طبع بھیجا تھا۔

تلخیص الہدایہ از شاہ اہل اللہ کا ایک مخطوطہ مولوی عبدالرشید بن مولوی محمد الیسین کے پاس تھا جو ملا عبد القیوم کا مکتوبہ تھا اس کتاب کے دوسرے مخطوطات کتب خانہ حبیب الرحمن صاحب شیروانی اور کتب خانہ آصفیہ اور کتب خانہ مولانا عبدالعزیز میمن میں بھی ہیں۔ (معارف اعظم گڑھ جلد نمبر ۶۱ شمارہ ۲)

### حواشی

۱۔ قاضی محمد ایوب (۱۸۲۵ء-۱۸۹۷ء) بن حکیم قمر الدین (۱۸۳۱ء بالاکوٹ)

۲۔ مقالات طریقت ص ۲۴۲

۳۔ الرحیم حیدر آباد سندھ جون ۱۹۶۷ء

## شاہ محمد اسماعیل

شاہ عبدالغنی بن شاہ ولی اللہ کے صاحب زادے

ولادت ۱۲ ربیع الاول ۱۱۹۳ھ / ۲ اپریل ۱۷۷۹ء بھلت، وفات والد ۱۶ رجب

۱۲۰۳ھ / ۱۲ اپریل ۱۷۸۹ء دہلی۔

۹-۱۲۰۸ھ / ۶-۱۷۹۳ء	فراغت درس (۱۶/۱۵ سال کی عمر میں)
۱۸۱۷ھ / ۱۲۳۲ھ	بیعت از سید احمد شہید
۱۸۱۷ھ / ۱۲۳۲ھ	تالیف تقویت الایمان
۱۸۱۸ھ / ۱۲۳۳ھ	تالیف صراط المستقیم
ربیع الاول ۱۲۳۸ھ / ۱۸۲۲ء	آغاز سفر حج از کلکتہ
صفر ۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۳ء	مراجعت کلکتہ
جمادی الثانیہ ۱۲۳۱ھ / ۱۸۲۶ء جنوری	سفر ہجرت
۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۲۳۲ھ / ۱۸۲۷ء	پہلا معرکہ (اکوڑہ)
ذی قعدہ ۱۲۳۶ھ / ۱۸۳۱ء مئی	شہادت (بالاکوٹ)

تصانیف: رسالہ تقویت الایمان (اردو)، صراط المستقیم (باب دو) (فارسی)، منصب امامت (فارسی)، رسالہ اصول فقہ (عربی) رسالہ یک روزی (فارسی)، ایضاح الحق الصریح فی احکام الہیت والصریح۔ تنویر العینین سنی مسند رفیع الیدین، مثنوی سلک نور، رسالہ بنے نمازاں۔

(۱) تنویر العینین کے متعلق بعض معاصرین شاہ اسماعیل کا بیان ہے کہ ان کی شہادت کے بعد لوگوں نے ان کے نام سے یہ رسالہ لکھ کر شہرت دی ہے، حجیرہ الفضالین ۸۷

## شاہ محمد عمر

شاہ اسماعیل شہید کی اولاد میں صرف ایک فرزند شاہ محمد عمر کا نام ملتا ہے۔  
 مولوی سید عبدالحی کا بیان ہے کہ قناعت و عفاف و توکل و استغنا اور تجمل الی اللہ کی  
 صفات سے بہرہ مند تھے۔ دنیا اور ارباب دنیا کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے تھے۔ ایک بار بہادر  
 شاہ ظفر نے شوقِ ملاقات ظاہر کیا اور قلعہ معلیٰ کو رونقِ بخشنے کی دعوت دی مگر آپ نے معذرت  
 کر دی۔

مولانا رحمت اللہ کیرانوی مہاجر کی کی زبانی ایک ایسا ہی ایمان افروز واقعہ نقل ہوا ہے  
 کہ شاہ محمد عمر بن شاہ اسماعیل شہید ایک بار ہمارے ساتھ جا رہے تھے کہ بادشاہ کی سواری کے ڈنکے  
 کی آواز آئی، یک لخت ان کی رنگت زرد ہو گئی، پیشاب کرنے بیٹھ گئے۔ بادشاہ کی سواری آئی اور  
 گزر گئی۔ بعد وہ اٹھے تو چہرہ خوش تھا۔ دریافت کیا کہ حضرت آپ اس قدر کیوں گھبرا گئے تھے اور  
 اب کیوں مطمئن ہیں؟ کہا ”میں نے بادشاہ کی سواری سامنے سے آتی ہوئی محسوس کر کے اس بات کا  
 خوف کیا کہ کہیں میرے ایمان کو نہ لے جائے۔“

انہی مولانا کیرانوی کی یہ روایت بھی ہے کہ نواب وزیر الدولہ والی نوٹک انہی محمد  
 عمر صاحب کے معتقد تھے۔ ایک مرتبہ ان کی ملاقات کے لیے آئے۔ محمد عمر صاحب نے سنا کہ وزیر  
 الدولہ آیا ہے تو دیوار کو دیکر پچھواڑے کی طرف سے مکان چھوڑ کر چل دیئے کہ امیروں کی ملاقات  
 سے دل سیاہ ہو جاتا ہے اور قلب پر غفلت طاری ہو جاتی ہے۔

شاہ محمد عمر کی وفات ۲ جمادی الثانیہ ۱۲۶۸ھ میں ہوئی مومن خاں نے حسب ذیل قطعہ تاریخ وفات موزوں کیا۔

محمد عمر کا ہوا انتقال بزرگ ایسے ہوتے ہیں پیدا کہاں  
مجھے سال تاریخ کا تھا خیال کہ سب نے کہا مرگ شیخ زماں

۱۲۶۸ھ

۱. نزہۃ الخواطر الجزء السابع ص ۳۳۰

۲. مرقاۃ الیقین از اکبر شاہ خاں نجیب آبادی ص ۱۹۳

۳. ایضاً ص ۱۹۴

## مولوی سید ظہیر الدین احمد ولی اللہی

خاندان رحیمی کے متاخرین میں سے مولوی سید ظہیر الدین کو متعدد خدمات کی بنا پر ایک اہم اور قابل ذکر مقام حاصل ہے۔ انھوں نے سب سے زیادہ قابل تحسین اور لائق قدر کام تو یہ کیا کہ مدرسہ رحیمیہ کی تجدید کی اور دوسری اہم خدمت یہ انجام دی کہ خاندان کے ادبیات کی اشاعت کے لیے ایک مکتبہ اور طباعت کے لیے ایک مطبع جاری کیا۔ تیسری نتیجہ خیز کوشش یہ کہ ان حضرات کے خلاف ایک مہم چلائی جو شاہ ولی اللہ اور ان کے جانشینوں کی طرف ان کتابوں کو منسوب کر رہے تھے جو درحقیقت ان کی نہیں تھیں۔

ایک طرف مولوی صاحب کی یہ خدمات مگر ان کی گم نامی کا یہ حال کہ کسی تاریخ کسی تذکرے میں آپ کو مولوی صاحب کا نام نہیں ملے گا۔ ۱۸۹۳ء میں مطبع مجتہائی سے فتاویٰ عزیزی طبع ہوئی تھی اس پر مرزا محمد بیگ دہلوی نے مقدمہ لکھا ہے جس میں خاندان کے سب ارکان کا ذکر ہے چنانچہ مولوی صاحب کے والد سید معز الدین کا بھی ذکر ہے اور لکھا ہے کہ ان کے علاوہ اب شاہ رفیع الدین کے اخلاف میں سے کوئی نہیں پایا جاتا، حال آں کہ یہ ٹھیک وہی دور ہے جب مولوی صاحب مدرسہ رحیمیہ کی تجدید کر چکے تھے اور خود ۲۳ سال کے تھے اور اپنے خاندان کی کتابیں شائع کر چکے تھے، اسی طرح مولوی رحیم بخش دہلوی نے سنہ ۱۹۰۰ء میں حیات عزیزی اور حیات ولی شائع کیں مگر مولوی صاحب کا نام بھی لینے سے احتراز کیا اس سے بھی زیادہ حیرت ناک بات یہ ہے کہ مولوی سید عبدالحی سنہ ۱۸۹۳ء میں دہلی میں ان سے ملے تھے اور اپنے سفر نامے میں ان کا اور ان

کے کاموں کا ذکر کیا تھا مرز زہرۃ الخواطر میں جو ان کے تذکرے کا محل تھی، انھیں بھول گئے۔

مولوی صاحب شاہ رفیع الدین کے نواسے کے پوتے تھے، شاہ رفیع الدین کی صاحب زادی لمة اللہ زوجہ نجم الدین تھیں ان کے دو صاحب زادے تھے، ایک مولوی سید نصیر الدین تھے جنھوں نے مشہد بالائوٹ کے بعد معرکہ جہاد کو تازہ کیا اور سرحد ہی میں وفات پائی (۱۸۴۰ء) دوسرے صاحب زادے سید ناصر الدین تھے ان کے صاحب زادے مولوی سید معز الدین تھے جن کے متعلق مرزا محمد بیگ لکھتے ہیں:

”الحال مولوی معز الدین صاحب از نسیرگان شاہ رفیع الدین دیگرے یافتہ

نمی شود حق تعالیٰ در عمر وے برکت دید“ ۳

ان مولوی معز الدین کے صاحب زادے مولوی سید ظہیر الدین احمد تھے جو ۱۸۷۰ء میں

پیدا ہوئے تھے۔

مولوی صاحب نے ایک مکتبہ جسے اس دور کی زبان میں ”دوکان اسلامیہ“ کا نام دیا اور ایک مطبع جسے انھوں نے شاہ ولی اللہ کے نام احمد پر مطبع احمدی سے موسوم کیا، جاری کئے۔ یہ مطبع اور ۱۸۷۰ء تا ۱۸۸۹ء میں طبع ہوئی تھی اس کتاب کے آخر میں انھوں نے اپنی گیارہ مطبوعات کی فہرست اور تفصیل دی ہے، ظاہر ہے کہ گیارہ کتابیں کم سے کم پانچ چھ سالوں میں طبع ہو سکی ہوں گی اس طرح ہم یہ قیاس کر رہے ہیں کہ مطبع چودھویں صدی ہجری کے آغاز میں قائم کیا گیا تھا، اس مطبع کی آخری کتاب جس کا مجھے علم ہے حسن الاقتباس ہے جو ۱۲۳۲ھ/۱۹۰۲ء میں چھپی تھی اس طرح تقریباً ۲۵ سال مطبع جاری رہا اور اس عرصے میں اس کی ۲۵ مطبوعات میرے علم میں ہیں اور نظر سے گزری ہیں خیال ہے کہ یہ تعداد زیادہ ہوگی، ان ۲۵ کتابوں میں سے ۲ کتابیں خود مولوی صاحب کی تالیف ہیں (۱) یادگار دہلی (۲) حالات عزیز۔ ایک کتاب (الدر الثمین) خود مولوی صاحب کی ترجمہ کی

ہوتی ہے اور خود وضاحت کی ہے۔

”کتاب درشمین۔۔۔۔۔ جب اس کم ترین سید ظہیر الدین عرف سید احمد کی نظر سے گزری۔۔۔ اس کا اقتضا یہ ہے کہ احباب میرے ہم زبان اور لسان سرور کون و مکان سے نا آگاہ ہیں اس تحفے میں وہ بھی میرے شریک ضرور ہوں۔۔۔۔۔ اس لیے اس کا اردو ترجمہ مناسب جانا“

باقی کتابوں میں سے چھ کتابیں مترجم ہیں مگر ان کے مترجم کی وضاحت نہیں ہے کہ مولوی صاحب کی ہیں یا کسی اور عالم کی۔ ایک کتاب (تحقیق الروایا) کے متعلق یہ بھی وضاحت ہے کہ مولوی صاحب نے اس کا ترجمہ خود نہیں کیا، کروایا ہے اور معاوضہ دے کر کروایا ہے۔ نکھتے ہیں:

”مگر ساتھ ہی یہ بھی خیال تھا کہ اگر اردو میں ترجمہ بھی ہو جائے تو بہت خوب ہے۔۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے کمال فضل سے میری آرزو پوری کی اور مجھ کو اس کے ترجمہ کرانے اور اس پر روپیہ صرف کرنے کی اور پھر طبع کرنے کی توفیق دی۔“

مطبع احمدی کی ان ۲۵ مطبوعات کی فہرست درج ذیل ہے:

(۱) الطاف القدس

(۲) مطبوعات مع الجزء اللطیف

(۳) مکتوبات مع فضیلت امام بخاری وابن تیمیہ

(۴) سعادت کونین (ترجمہ فیوض الحرمین) محرم ۱۳۰۸ھ

(۵) الدر الثمین مترجم

(۶) مجموعہ الارشاد واول و تراجم ابواب بخاری واسباب حفظ القرآن

(۷) اول الاحادیث مترجم

(۸) حوامع

- (۹) مجموعہ فتاویٰ شاہ عبدالعزیز
- (۱۰) مجالس نافعہ
- (۱۱) حسن العقیدہ (اعتقاد نامہ) مترجم
- (۱۲) وصیت نامہ مع رسالہ دانش مندی مترجم
- (۱۳) انفاس العارفين
- (۱۴) مکتوبہ مندی
- (۱۵) انجباہ فی سلاسل اولیاء اللہ
- (۱۶) تکریم مندی از شاہ اہل اللہ
- (۱۷) تکریم یونانی شاہ اہل اللہ
- (۱۸) انفاس رحیمیہ (مرتبہ شاہ اہل اللہ)
- (۱۹) مجموعہ رسائل شاہ رفیع الدین
- (۲۰) عزیز الاقباس ترجمہ مولوی نظام الدین کیرانوی ۱۳۴۲ھ/۱۹۰۳ء
- (۲۱) مناقب فخریہ (نوائے غازی الدین خلیں) ۱۳۲۵ھ/۱۸۹۸ء
- (۲۲) یادگار دہلی ۱۹۰۳ء
- (۲۳) حالات عزیز
- (۲۴) تحقیق الروایا
- (۲۵) ارشاد رحیمیہ ۱۳۴۱ھ/۱۹۰۳ء
- مولوی صاحب نے یہ مطبع پہلے اپنے ہی مکان قائم کیا تھا اور اس کا پتہ لکھا جاتا تھا  
 ”عقب کارخانہ کے بعد یہ کلاں کی دوکان نمبر ۹۷ میں منتقل ہو گیا تھا۔“
- مولوی صاحب کا دوسرا قابل قدر کام پیشہ خاندانی درس گاہ کی تخریب ہے۔ مدرسہ غالباً  
 ۱۳۱۸ھ/۱۸۹۵ء میں جب مولوی سید عبدالغنی نے تاسیس کی تھی، بندھ چکا تھا مولوی صاحب



نے کس ولولے اور جذبے سے یہ مدرسہ جاری کیا تھا اس کا اندازہ ان کی اس تحریر سے ہوتا ہے جو انہوں نے فیوض الحرمین کے خاتمے کے طور پر لکھی تھی۔

بجانب سے حضرت مولانا محمد اسحاق محدث دہلوی بیت اللہ ہجرت فرمائے

اور مولوی مخصوص اللہ خلف مولانا شاہ رفیع الدین صاحب کا انتقال ہو گیا

مدرسہ کہنہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ کا تخمیناً چالیس سال سے

غیر آباد پڑا ہے اگرچہ اولاد مولانا شاہ رفیع الدین ممدوح سے چند حضرات

وارث حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب اور حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز

صاحب کے تھے مدرسہ موصوفہ میں برابر سکونت پذیر رہے مگر بوجہ جاری نہ

ہونے سلسلہ تدریس کے اکثر احباب اور متوسلین خاندان کو معلوم بھی نہ رہا

کہ اولاد حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی ان کے قدیم مسکن و درس گاہ میں

رہتی ہے اس اثنا میں مکان مدرسہ بھی غدر میں منہدم ہو گیا بعد اس عرضہ

معبودہ کے مسبب الاسباب نے داعیہ تعمیر اور آبادی اس مدرسہ مذکورہ کا جو

درحقیقت منبع علم دین ہندوستان میں ہے اس تکم ترین کے دل میں ڈالا تو

بعونہ تعالیٰ دن رات اس کی آبادی کی کوشش میں ہوں اور شب و روز

بجیب الدعوات سے دامت بدعا ہوں کہ اے قاضی الحاجات اس اجڑے

ہوئے چمن کو دوبارہ سرسبز کر دے اور جو نام مفقود ہوا جاتا ہے اس کے باقی

رہنے کی کوئی تدبیر کر اور اس میں سلسلہ درس و تدریس جاری کر اور اس

مدرسہ موصوفہ کو مثل ہور مدارس اسلامی کے کہیں سے کچھ کفایت نہیں

ہے اور خاص یہ شہر تو سر پرستی باہن سے خالی ہو گیا ہے اور میرے پاس تو

سالوں اس قدر سرمایہ نہیں ہے کہ سلسلہ درس و تدریس کا شروع کروں اور طلبہ کی

تعمیرات کرائے کر سکوں تو دل لائے چاہا کہ اس خیریت سے بہا کو جو عرضہ دراز سے

محفوظ چلا آ رہا ہے نکالنے اور حلیہ طبع سے جلادے کر جو ہریان بازار معانی  
 کو دکھائیے قدرے تردد برطرف ہوا تو اس کم ترین نے یہ چند رسالے لکھنے  
 نکالے حلیہ طبع سے آراستہ کر کے ہدیہ شائقین کئے (اس کے بعد اپنی  
 گیارہ مطبوعات کی فہرست دی ہے) اور ایک کتب خانہ اور مطبع برائے  
 اعانت مدرسہ موصوفہ کے جاری کیا۔“

اس تحریر کی بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ مولوی صاحب نے ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۰ء میں کسی نہ کسی  
 پیمانے پر اور کم سے کم نام کی حد تک مدرسے کی تجدید کی تھی۔

مولوی صاحب نے مدرسے کا نام مدرسہ عزیز رکھا تھا اور مطبع کو بھی وہ التزام کے  
 ساتھ ”مطبع احمدی متعلقہ مدرسہ عزیز“ لکھتے تھے، کتب خانے کا نام ”دوکان اسلامیہ“ تھا اور وہ  
 ابتدا میں گھر پر ہی تھا اس کا پتہ کلاں محل اور کبھی کبھی ”عقب کلاں محل“ لکھتے تھے مثلاً سب سے پہلی  
 کتاب الطاف القدس پر جمی پتہ لکھا تھا مگر بعد میں دوکان ۷۹ اور یہ کلاں کا پتہ شائع ہونے لگا۔  
 ابتدا مولوی صاحب یہ کام تنہا ہی چلاتے رہے اور اپنے نام کے ساتھ مہتمم یا مالک مطبع  
 احمدی و دوکان اسلامیہ ہی لکھا کرتے تھے مگر چند سال کے بعد اشتہارات میں واحد کے بجائے تثنیہ  
 کا صیغہ استعمال ہونے لگا اور مالک سے ”مالکان“ ہو گئے۔ مولوی صاحب کے یہ شریک کار مولوی  
 عبدالغنی کلیسی تھے، مولوی عبدالغنی غالباً ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳ء میں شریک ہوئے تھے اور ان کا نام پہلی بار  
 مولوی صاحب کے نام کے ساتھ انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ کے خاتمے میں آیا ہے جو ۱۳۱۱ھ میں طبع  
 ہوئی تھی۔

مولوی صاحب کی تیسری اہم خدمت یہ ہے کہ انہوں نے نہ صرف یہ کہ اپنے اسلاف  
 کرام کی کتابیں شائع کیں بلکہ ایک مہم ان حضرات کے خلاف چلائی جو اپنے افکار و نظریات کی  
 اشاعت کے لیے شاہ ولی اللہ اور ان کے اخلاف کا نام استعمال کر رہے تھے اور ان بزرگوں کی طرف  
 وہ کتابیں منسوب کر رہے تھے جو درحقیقت ان کی نہیں تھیں یا ان کی کتابوں میں وہ اپنی طرف سے

اضافات کر رہے تھے، مولوی صاحب نے پہلے تاویل الاحادیث کے خاتمے میں لکھا:  
 ”آج کل بعض لوگوں نے بعض تصانیف کو اس خاندان کی طرف منسوب  
 کر دیا ہے اور درحقیقت وہ تصانیف اس خاندان میں سے کسی کی نہیں اور  
 بعض لوگوں نے جو ان کی تصانیف میں اپنے عقیدے کے خلاف پائی تو  
 اس پر حاشیہ جڑا اور موقعہ پایا تو عبارت کو تغیر تبدیل کر دیا، تو میرے کہنے سے  
 یہ عرض ہے کہ جو اب تصانیف ان کی چھپیں تو اچھی طرح اطمینان کر لینا  
 چاہیے جب خریدی جائیں۔“

اس کے بعد انفاس العارفین کے آخر میں التماس ضروری کے عنوان سے لکھا:  
 ”فی زماننا دنیا زور ولا یحصلها الا بالزور تو بعض حضرات نے  
 کمر باندھی ہے اور دنیا کمانے کے واسطے حضرات موصوفین کی طرف اکثر  
 کتابیں منسوب کر کے چھاپ دی ہیں جو کسی طرح ان حضرات کی کتابوں  
 میں نہیں ہیں اور ارباب بصیرت ان کو پڑھ کر ان کے عیب اور مفاسد کو اس  
 طرح جان لیتے ہیں جس طرح ایک تجربہ کار نقاد کھونٹے کو کسوٹی پر لگا کر  
 پہچان لیتا ہے مگر لٹجوائے العوام کالاتعام بیچارے اردو پڑھنے والے علم سے  
 بے بہرہ لوگ اکثر ان جعلی اور مصنوعی رسائل کو پڑھ کر ضلالت اور گمراہی  
 میں مبتلا ہوتے ہیں اس واسطے میرا فرض ہے کہ میں ان رسائل کے نام اس  
 کاغذ کوتاہ میں لکھ دوں اور اپنے دین دار بھائیوں کو ارباب زمانہ کی گندم  
 نما جو فروشی سے آگاہ کر دوں آگے اس پر عمل کرنا نہ کرنا ان کا فعل ہے۔

منت انچی بق بود گفتم تمام

تو دانی دگر بعد ازیں والسلام

اور جعلی اور مصنوعی رسائل یہ ہیں:

(۱) محمد الموحدين مطبوعہ اكل المطابع دہلی منسوب بہ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب۔

(۲) بلاغ المبین مطبوعہ لاہور منسوب بہ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب

(۳) تفسیر موضح القرآن مطبوعہ خادم الاسلام دہلی منسوب بہ طرف مولانا

شاہ عبدالقادر صاحب مرحوم

(۴) ملفوظات مطبوعہ میرٹھ منسوب بہ طرف حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز

مولوی صاحب کی تصانیف (یادگار دہلی اور حالات عزیزی) کے علاوہ ان کے دو

مضمون بھی قابل ذکر ہیں: (۱) شاہ ولی اللہ پر ایک مضمون جو تاویل الاحادیث کے آخر میں شائع

ہوا ہے اور کئی نئی معلومات پر مشتمل ہے۔ اس مضمون کی بنا پر مجھے یقین ہے کہ القول الجلی مولوی

صاحب کے مطالعہ میں تھی (۲) شاہ اہل اللہ پر ایک مفصل مضمون جو تاملہ ہندی کے آخر میں شائع

ہوا تھا اور جو شاہ اہل اللہ پر ایک اولین اور معتبر ماخذ ہے۔

مولوی صاحب کی کتاب یادگار دہلی پر دہلی کے مشہور بزرگ اور مصنف خواجہ ناصر نذیر

فراق دہلوی نے جو تقریظ لکھی وہ درج ذیل ہے:

مولوی صاحب محمود ایک ذی علم اور لائق خاندان سے منسوب ہیں

جس میں صد ہا سال سے تصنیف و تالیف کا مشغلہ چلا آتا ہے۔۔۔ آپ

مولانا شاہ رفیع الدین کے نواسے اور شاہ عبدالعزیز کے سچے جانشین ہیں

اور بہ اعتبار علم و نسب شاہ صاحب کے خاندان میں آپ ہی باقی ہیں

آپ شاہ صاحب کے ایک لائق یادگار ہیں آپ نے شاہ صاحب کا نام

روشن کر دیا ہے، شاہ ولی اللہ۔۔۔ وغیرہ حضرات کی کتابوں کو جن کا ہم

نام ہی سنا کرتے تھے، پچھاپ کر آپ نے ہندوستان سے ایران، ایران

۔۔۔ عرب اور شام تک پھیلا دیا ہے۔

نام و مصنف مولانا اسلم جے راج پوری لکھتے ہیں:

”مجھے یاد ہے کہ ۱۹۱۰ء میں مولانا عبدالحق محدث دہلوی کے خاندان میں

ایک شادی ہو رہی تھی جس میں شرکت کے لیے میں دہلی آیا تھا اس وقت

ایک شخص سید احمد نامی جو اپنے آپ کو ولی اللہی کہتے تھے، مجھ سے ملے تھے

ان کا قد چھوٹا اور داڑھی لمبی تھی وہ اس کتاب یعنی تمہیمات کو شائع کرانے

کی فکر میں تھے اس کے چار جز چھپے ہوئے تھے، مجھے دکھائے تھے اس کے

پہلے شمارے ہی زمانہ بعد وہ انتقال کر گئے اب جہاں تک مجھے معلوم ہے شاہ

کا کتاب کا مطالعہ کی ضرورت میں کوئی نہیں ہے۔“ (نوادر، کراچی ۱۹۵۱ء ص ۱۶۲)

تیسرا حصہ: مولانا اسلم جے راج پوری کی تصانیف اور تصانیف کے بارے میں

حوالہ: مولانا اسلم جے راج پوری کی تصانیف اور تصانیف کے بارے میں

(۱) مقلد قلوبی معزین ۱۲۱۰ھ بمطابق ۱۸۹۳ء میں چھپا ہے اس کے ٹھیک ایک سال بعد صاحب زہرہ الخواطر نے

آستانہ تریای پر خاضری دی ہے تو پرہرگ خاندان کی حیثیت ہے مولوی معز الدین کے بیٹے مولوی سید احمدی ان

سے ملے تھے، مگن ۹۳-۱۸۳ء کے درمیان انتقال ہو گیا ہو۔

(۲) واقعات دار الحکومت دہلی ۵۵۹

(۳) الدر الثمین مترجم طبع احمدی دہلی

یہ تمام تصانیف مولانا اسلم جے راج پوری کی تصانیف اور تصانیف کے بارے میں

حوالہ: مولانا اسلم جے راج پوری کی تصانیف اور تصانیف کے بارے میں

حوالہ: مولانا اسلم جے راج پوری کی تصانیف اور تصانیف کے بارے میں

حوالہ: مولانا اسلم جے راج پوری کی تصانیف اور تصانیف کے بارے میں

حوالہ: مولانا اسلم جے راج پوری کی تصانیف اور تصانیف کے بارے میں

حوالہ: مولانا اسلم جے راج پوری کی تصانیف اور تصانیف کے بارے میں

## مولوی سید عبدالغنی

خاندان ولی اللہی کا ہر خادم اس کا مستحق ہے کہ ہم اس کے احوال و سوانح کا تجسس کریں اور جہاں جہاں جو کچھ مل جائے اس کو جمع کر دیں مولوی سید ظہیر الدین احمد سے بھی ہمیں ان کی ان خدمات کی بنا پر عقیدت ہے اور مولوی سید عبدالغنی بھی ہم سے اس محبت و ارادت کے متقاضی ہیں مگر افسوس ہے کہ ہم ان کے احوال سے زیادہ واقف نہیں ہیں ہمیں اب تک صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ مولوی سید احمد کے ہم شیر زادے تھے اور مولوی سید محمد کے فرزند تھے، انہیں بیک وقت دور جاں علم و تقویٰ شاہ ولی اللہ اور شاہ کلیم اللہ سے نسبت تھی اسی لیے وہ اپنے نام کے ساتھ ولی اللہی لکھی لکھا کرتے تھے اور شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کے متولی اور سجادہ نشین تھے۔ چند سال اپنے ماموں مولوی سید احمد کے ساتھ بزرگوں کی تالیفات کی اشاعت میں شریک رہے اور مولوی سید احمد کے وصال کے بعد عرصے تک تنہا یہ خدمت انجام دیتے رہے، کئی رسائل و کتب کے دوسرے ایڈیشن شائع کئے مطبع احمدی بند کر دیا اور دوسرے مطابع سے کتابیں چھپوانے لگے۔

مولوی سید عبدالغنی کی شائع کردہ حسب ذیل کتابوں تک ہماری رسائی ہوئی ہے:

(۱) تمہیمات الہیہ حصہ اول

(۲) تحقیق الروایا (بار دوم)

(۳) انتخاب فی سلاسل اولیاء اللہ (باردوم)

(۴) الدر الثمین (باردوم)

مولوی سید عبدالغنی سنہ ۱۹۱۳ء تک حیات تھے، کیوں کہ مولوی سید محمد امام غید گاہ شاہی دہلی نے اس سال اپنے صاحب زادہ حافظ طاہر حسن کو اپنا جانشین بنایا تھا تو اس تقریب میں دستار امامت مولوی سید عبدالغنی نے باندھی تھی (الرحیم حیدر آباد سندھ، مارچ ۱۹۶۸ء پروفیسر عبدالرشید ارشد)

(۱) مولانا ابوالکلام آزاد (۱۸۸۸-۱۹۶۱ء)

(۲) مولانا ابوالکلام آزاد (۱۸۸۸-۱۹۶۱ء)

(۳) مولانا ابوالکلام آزاد (۱۸۸۸-۱۹۶۱ء)

(۴) مولانا ابوالکلام آزاد (۱۸۸۸-۱۹۶۱ء)

## مولوی سید عبداللہ

شاہ ولی اللہ اور ان کے اصحاب سلسلہ کے ادبیات کی اشاعت میں جن افراد کا

حصہ ہے ان میں مولوی سید عبداللہ کا نام نمایاں ہے بلکہ ان کو اولیت کی فوقیت بھی حاصل

ہے۔

مولوی سید عبداللہ کے والد سید بہادر علی تھے اور سوانہ (پنجاب) کے رہنے والے

تھے مگر عرصے سے کلکتے میں مقیم تھے۔ مولوی صاحب ایک صاحب استعداد عالم دین تھے

ملک کے علما خصوصاً ولی اللہی سلسلے کے علما سے ان کے روابط تھے مثلاً شاہ محمد اسحاق

دہلوی، مولوی عبدالحی بڑھانوی، مولوی حسن علی لکھنوی وغیرہ۔ ۱۸۲۲ء میں جب سید احمد شہید

سفر حج کے دوران کلکتے پہنچے تو مولوی صاحب ان سے بیعت ہو گئے اور ان کے ہم سفر بھی

ہو گئے، سفر حج سے علم دین کی اشاعت کا عزم اور ولولہ لے کر لوٹے اور ۱۸۲۳ء میں ایک

ٹائپ پریس خرید کر کتب و رسائل کی طباعت کا آغاز کر دیا، مطبع کا نام احمدی شاہ ولی اللہ

کے نام کی نسبت سے رکھا تھا شاہ صاحب کا پورا نام احمد ولی اللہ تھا، یہ بھی ممکن ہے کہ اپنے

مرشد سید صاحب کے نام کی نسبت سے رکھا ہو، کئی رسالوں اور کتابوں کے اصل متن ہی

شائع کیے مگر کئی رسالوں کے اردو ترجمے بھی شائع کئے۔ یہ ترجمے خود مولوی صاحب نے کئے

تھے، خود بھی قرآن کریم کی بعض سورتوں کی تفسیر (تفسیر مقبول) لکھی، اس کے علاوہ شاہ ولی

اللہ، شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر، شاہ محمد اسحاق، سید احمد شہید کے رسائل کے ترجمے کئے۔



مولوی سید عبداللہ کا وصال ۱۲۶۵ھ / ۱۸۴۸ء میں ہوا تھا۔  
 مطبع احمدی کی حسب ذیل مطبوعات ہمارے علم میں ہیں:  
 (۱) آداب الآخرت، شاہ رفیع الدین دہلوی کے قیامت نامے کا اردو ترجمہ

از سید عبداللہ ۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۳ء

(۲) تنبیہ الغافلین کا اردو ترجمہ از سید عبداللہ ۱۲۳۳ھ / ۱۸۲۷ء

(یہ کتاب شاہ رفیع الدین کی تالیف بتائی جاتی ہے)

(۳) رسالہ در حمایت تحریک مجاہدین۔ تحریک مجاہدین کے رکن مولوی محمد علی رام

پوری کے ایک مرید اور سفیر ایک سال تک کلکتے آکر رہے اور اتباع سنت اور رد بدعت میں  
 تقریریں کرتے رہے جس سے ایک طبقہ متاثر ہوا اور ایک طبقہ کے لیے یہ تقریریں وجہ  
 شکایت و اعتراض بن گئیں چنانچہ کلکتے کے افضل العلماء مولوی ارتضیٰ علی خاں سے استفتا کیا  
 گیا، مولوی صاحب نے جو فتویٰ دیا وہ تحریک مجاہدین کے نظریات کے خلاف تھا۔

اس فتوے کے جواب اور تردید میں یہ رسالہ لکھا گیا ہے زبان فارسی ہے مگر افسوس

ہے کہ رسالے کے نام کا اول و آخر سے سراغ لگایا جاسکا نہ مصنف کے نام کا، اس رسالے کی  
 اہمیت یہ ہے کہ حادثہ بالاکوٹ سے قبل کی تصنیف اور طباعت ہے (۱۲۳۵ھ / ۱۸۳۰ء)

صفحات ۱۲۲

(۴) موضح قرآن (ترجمہ قرآن کریم) از شاہ عبدالقادر دہلوی۔ مولوی سید

عبداللہ یہ ترجمہ حجاز میں نقل کروا کے لائے تھے اور ۱۲۳۵ھ میں چھاپا تھا۔

(۵) تفسیر مقبول، مولوی سید عبداللہ کی اپنی تحریر ہے اس میں قرآن کریم کی بعض

سورتوں کی تفسیر ہے، ۱۲۵۰ / ۱۸۳۳ء

(۶) مسلسلات، شاہ ولی اللہ کا رسالہ چہل حدیث کے نام سے معروف ہے،

ترجمہ مولوی سید عبداللہ نے کیا تھا، بعد میں اس کا ایک ترجمہ مولوی خرم علی بلہوری نے بھی

کیا تھا، مسلمات تفسیر مقبول کے ضمیمے کے طور پر چھپا تھا۔

(۷) مسائل اربعین، ترجمہ از مولوی سید عبداللہ، سال طباعت ندارد (مسائل اربعین کی نسبت شاہ محمد اسحاق کی طرف کی گئی ہے مگر میرے خیال میں یہ نسبت صحیح نہیں ہے۔ ملاحظہ "حیات شاہ محمد اسحاق"۔)

(۸) فتاویٰ ہندی، سوالات مع جوابات از مولوی سراج الدین ترجمہ از سید عبداللہ سال طباعت ندارد

(۹) المقالہ الوضیہ فی النصیۃ والوصیہ از شاہ ولی اللہ، یہ رسالہ وصیت نامے کے نام سے معروف ہے، اصل فارسی متن طبع ہوا ہے، سال طباعت ندارد۔

(۱۰) الفوز الکبیر فی اصول التفسیر از شاہ ولی اللہ فارسی متن

(۱۱) فتح النجیر از شاہ ولی اللہ، فارسی متن، سال طباعت ندارد

(۱۲) کشف الحیوان از غفور احمد مجددی نقشبندی فاروقی، فارسی متن۔ صفحات ۴۰

سال طباعت ندارد (حیوانات کی حلت و حرمت کے موضوع پر)

”تفسیر فتح العزیز پارہ ۲۹، ۳۰ از شاہ عبدالعزیز، طباعت ۱۲۴۸ھ/۱۸۳۲ء“

## مولانا عبدالحمید سواتی

شاہ ولی اللہ اور ان کے حلقہ اصحاب و اخلاف کے رسائل و کتب کی طباعت کا سلسلہ سب سے پہلے مولوی سید عبداللہ (ہوگلی کلکتہ) نے ۱۹ویں صدی عیسوی کے نصف اول میں شروع کیا تھا، اسی صدی کے آخری عشرے میں خاندان ولی اللہی کے ایک رکن مولوی سید ظہیر الدین ولی اللہی نے عزم کیا اور متعدد رسائل و کتب اور ان کے ترجمے شائع کیے۔

طلوع پاکستان کے بعد ایک اہم انفرادی کوشش مولانا عبدالحمید سواتی (مدرسہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ) نے کی، مولانا نے اولاً ان حضرات کے اب تک کی غیر مطبوعہ کتابوں اور رسالوں کی اشاعت پر توجہ کی ثانیاً چند رسائل پر فاضلانہ مقدمے بھی لکھے ثالثاً کتابوں کے ظاہر پر بھی توجہ دی، ان کی مطبوعات کا معیار طباعت و کتابت بھی بلند تھا۔

مولانا نے مدرسہ نصرۃ العلوم کے ادارہ نشر و اشاعت سے حسب ذیل کتابیں اور رسالے شائع کئے:

(۱) تکمیل الاذہان (عربی) از شاہ رفیع الدین دہلوی سنال طباعت ۱۳۸۳ھ/

۱۹۶۵ء

تکمیل الاذہان اس لحاظ سے ابھی تک غیر مطبوعہ تھی کہ وہ اب تک کتابی شکل میں شائع نہیں ہوئی تھی ویسے نواب صدیق حسن خاں نے ابجد العلوم میں اس کے تین باب

متفرق طور پر شائع کر دیئے گئے۔ (صفحہ ۱۲۷-۲۳۵-۲۳۱) مولانا نے مکمل کتاب (چاروں باب) شائع کی ہے۔

(۲) مقدمۃ العلم (عربی) از شاہ رفیع الدین دہلوی۔ صفحات ۶، یہ رسالہ بھی پہلے اجد العلوم (ص ۲۳۱) میں شائع ہوا تھا۔ ۱۳۸۳ھ میں یہ تکمیل الاذہان کے ساتھ شائع کیا گیا۔

(۳) دانش مندی (فارسی) از شاہ ولی اللہ، صفحات ۵، سال اشاعت ۱۳۸۳ھ، یہ بھی تکمیل الاذہان کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔

(۴) تفسیر آیۃ النور از شاہ رفیع الدین دہلوی (عربی)۔ سال اشاعت ۱۳۸۲ھ / ۱۹۶۳ء، صفحات ۲۸

(۵) اسرار الحکیمۃ (عربی) از شاہ رفیع الدین، صفحات ۵۲۔ سال اشاعت ۱۳۸۲ھ / ۱۹۶۳ء

(۶) ولی اللہی صرف (صرف میر منظوم) نظم فارسی، از شاہ ولی اللہ صفحات ۱۶، تعداد اشعار ۱۷۸

(۷) مجموعہ رسائل شاہ رفیع الدین دہلوی، سال اشاعت ۱۳۸۱ھ / ۱۹۶۳ء

(۱) رسالہ اذان نماز، صفحات ۷

(۲) رسالہ فوائد نماز، صفحات ۶

(۳) رسالہ حملۃ العرش، صفحات ۱۴

(۴) شرح رباعیات، صفحات ۷

(۵) رسالہ بیعت، صفحات ۸

(۶) شرح برہان العاشقین، صفحات ۱۴

(۷) رسالہ ندوہ بزرگان، صفحات ۱۰

(۸) رسالہ شرح چہل کاف صفحات ۱۳

(۹) جوابات و سوالات اثناء عشر صفحات ۱۶

(۱۰) فتاویٰ ص ۲۰

(۸) الطاف القدس (فارسی) از شاہ ولی اللہ، صفحات ۱۶۲۔ سال اشاعت

۱۳۸۳ھ ترجمہ اردو از مولانا عبدالحمید سواتی

(۹) دماغ الباطل از شاہ رفیع الدین

(۱۰) مجموعہ رسائل، حصہ دوم، شاہ رفیع الدین دہلوی

## کتابیات

امیر الہدایات (حکایات اولیا) کراچی، سن ندارد  
 ارشاد محمدی، شیخ محمد تھانوی، محبوب المطالع میرٹھ ۱۳۰۸ھ  
 آثار الصنادید (تذکرہ اہل دہلی) سرسید احمد خاں، کراچی  
 اصول فقہ حنفی (مشمولہ فتاویٰ عزیز) شاہ عبدالعزیز ۱۳۱۱ھ  
 انسان العین فی مشائخ الحرمین، شاہ ولی اللہ مطبع احمدی دہلی  
 ۲  
 اجد العلوم، نواب صدیق حسن خان، بھوپال ۱۲۹۶ھ  
 بوارق العین، شاہ ولی اللہ، مطبع احمدی دہلی

تاریخ الاحادیث، شاہ ولی اللہ، مطبع احمدی، دہلی  
 تذکرہ خاندان عزیز، از حکیم ظل الرحمن  
 تصنیف رنگیں، (مشمولہ وصایائے اربعہ) سعادت یار خان رنگیں / محمد ایوب قادری،  
 حیدرآباد، سندھ

تنبیہ الضالین، دہلی ۱۲۶۲ھ  
 تکملہ ہندی، شاہ اہل اللہ، مطبع احمدی، دہلی  
 تہافتہ الوبابیہ، مفتی عبدالحفیظ، آگرہ  
 الثقافتہ الاسلامیہ فی الہند، سید عبدالرحمن، بیروت ۱۹۵۸ء  
 الجزء النطیف، شاہ ولی اللہ، مطبع احمدی، دہلی

جماعت مجاہدین، غلام رسول مہر، لاہور  
 حیات ولی، رحیم بخش دہلوی، لاہور، ۱۹۵۵ء  
 دافع الفساد و نافع العباد، پیر مرتضیٰ خاں رام پوری، مطبع محمدی، ٹونک  
 دہلی اور اس کے اطراف سید عبدالحی، دہلی، ۱۹۵۸ء

سوانح احمدی محمد جعفر تھانیسری، کراچی  
 سیف الجبار، مولانا فضل رسول بدایونی، لاہور

شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، خلیق احمد نظامی، دہلی، ۱۹۶۰ء  
 شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ، عبید اللہ سندھی

عجالہ نافعہ مع فوائد جامعہ، شاہ عبدالعزیز/عبدالخلیم چشتی، کراچی  
 فضائل صحابہ و اہل بیت، شاہ عبدالعزیز/محمد ایوب قادری، لاہور  
 فتاویٰ شاہ عبدالعزیز، مجتہبائی دہلی، ۱۳۱۱ء  
 فیض عام، مولانا فضل رسول بدایونی  
 فیوض الحرمین، شاہ ولی اللہ، مطبع احمدی دہلی

القول الجلی، شاہ محمد عاشق، پھلتی، دہلی، ۱۹۸۹ء  
 گلشن ہند، مزار علی لطف، حیدرآباد دکن، ۱۹۰۶ء  
 ملفوظات شاہ عبدالعزیز، میرٹھ، ۱۸۱۷ء  
 مقالات طریقت، عبدالرحیم ضیا، حیدرآباد دکن، ۱۲۹۲ھ  
 منصب امامت، شاہ محمد اسماعیل

منظورۃ السعد فی احوال الغزاة والشہداء، جعفر علی بستوی، مخطوط، ٹونک  
 مناقب فخریہ، نواب غازی الدین خاں، مطبع احمدی دہلی  
 مخزن احمدی، سید احمد علی رائے بریلوی  
 مرقاۃ الیقین، اکبر شاہ خاں نجیب آبادی، لاہور  
 مقدمہ دراسات اللیب، مولانا عبدالرشید نعمانی  
 مولانا محمد احسن ناتونوی، ڈاکٹر محمد ایوب قادری، کراچی ۱۹۶۶ء  
 ماخذ ائمہ اربعہ، شاہ عبدالعزیز، (شمولہ فتاویٰ عزیزی)

۲  
 نادر مکتوبات شاہ ولی اللہ، ڈاکٹر نثار احمد فاروقی، دہلی  
 نزہۃ الخواطر، سید عبداللہی، دکن  
 وصیت نامہ، (البقاۃ الوضیہ فی النصیحۃ والوصیۃ) شاہ ولی اللہ، مطبع احمدی، ہوٹلی  
 وسایائے اربعہ، محمد ایوب قادری، حیدرآباد، سندھ  
 واقعات دار الحکومت دہلی، بشیر الدین دہلوی، ۱۹۱۹ء  
 یادگار دہلی، سید ظہیر الدین احمد ولی اللہی، دہلی ۱۹۰۳ء  
 الیانع الجنبی، محسن ترہتی ۱۳۳۹ھ  
 تذکرہ خاندان عزیزی از حکیم ظل الرحمن



## مطبوعات مکتبہ جامعہ لمیٹڈ ایک نظر میں

معاصرین و متعلقات مولانا ابوالکلام آزاد

- |       |  |  |
|-------|--|--|
| 60/-  | عبدالقوی دستوی   | ادب، تنقید، انشاء                                      |
| 90/-  | سر سید سے اکبر تک مرتبہ: شمیم حنفی/سہیل احمد فاروقی        | افکار و ذاکر مرتبہ: اختر الواسع/فرحت احساس             |
| 40/-  | سیاہ قام ادب مرتبہ: شمیم حنفی/سہیل احمد فاروقی             | انتخاب مضامین خلیل الرحمن اعظمی (جلد اول)              |
|       | خامہ بگوش کے قلم سے مرتبہ: مظفر علی سید (زیر طبع)          | 150/-  |
|       | ابجینس (نفسیاتی مضامین) عبداللہ ولی بخش قادری              | مرتبہ: پروفیسر شہریار                                  |
| 200/- | جورجی سو بے خبری ربی (خودنوشت) ادا جعفری                   | انتخاب مضامین خلیل الرحمن اعظمی (جلد دوم)              |
| 75/-  | قلم اور قدم سید حامد                                       | 200/-  |
| 51/-  | جدید ادبی تحریکات ڈاکٹر سید حامد حسین                      | مرتبہ شہریار   |
|       | مستقبل کی طرف (خطبات جلسہ تقسیم اسناد جامعہ ملیہ اسلامیہ)  | 80/-   |
| 150/- | مرتبہ: خواجہ محمد شاہد/خالد کمال فاروقی                    | البرونی اور جغرافیہ عالم مولانا ابوالکلام آزاد         |
|       | مولانا ابوالکلام آزاد فکر و نظر کی چند جہتیں               | معلم تہذیب خواجہ غلام السیدین مرتبہ: اختر الواسع       |
| 60/-  | پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی                                  | 120/-  |
| 90/-  | صحرا میں لفظ فضیل جعفری                                    | فرحت احساس   |
| 45/-  | فارسی داستان نویسی کی مختصر تاریخ: ڈاکٹر مومن محی الدین    | 100/-  |
| 60/-  | انشائے غالب مرتبہ: رشید حسن خاں                            | سوالوں میں رنگ بھرے وہاب قیصر                          |
| 45/-  | اردو ڈرامے کی تنقید کا جائزہ ابراہیم یوسف                  | 90/-   |
|       | تاریخ نگاری قدیم و جدید رجحانات                            | 100/-  |
| 51/-  | ڈاکٹر سید جمال الدین                                       | ہندستانی معیشت اور بین الاقوامی پس منظر علی محمد خسرو  |
|       | انداز گفتگو کیا ہے شمس الرحمن فاروقی (زیر طبع)             | 280/-  |
| 51/-  | دستک اس دروازے پر ڈاکٹر وزیر آغا                           | مولانا ابوالکلام آزاد، آزادی کی طرف: ضیاء الحسن فاروقی |
| 10/-  | سر سید یادگاری خطبات مونس رضا/مسعود حسین خاں               | 275/-  |
| 75/-  | تفہیم رشید حسن خاں   | سرمایہ سخن (جلد اول) علی سردار جعفری                   |
| 75/-  | اردو شاعری کی گیارہ آوازیں عبدالقوی دستوی                  | 150/-  |
| 51/-  | کچھ مشرق سے کچھ مغرب سے نقی حسین جعفری                     | اردو کا ابتدائی زمانہ شمس الرحمن فاروقی                |
| 60/-  | شناس و شناخت انور صدیقی                                    | سر سید اور سین ٹیفک سوسائٹی پروفیسر افتخار عالم خاں    |
|       | سائنس کی ترقی اور آج کا سماج ڈاکٹر سید ظہور قاسم (زیر طبع) | 150/-  |
| 10/-  | سیرت طیبہ میں سماجی انصاف کی تعلیم اختر الواسع             | 250/-  |
| 75/-  | حموربی اور بابلی تہذیب و تمدن مالک رام                     | معماران جامعہ ظفر احمد نظامی                           |
|       |  | چند ارباب کمال رحیم الدین کمال                         |
|       |  | پانچ جدید شاعر حمید نسیم                               |
|       |  | قاری سے مکالمہ شمیم حنفی                               |
|       |  | اعلا تعلیم (خطبات) ڈاکٹر ذاکر حسین                     |
|       |  | اردو زبان و ادب کے فروغ میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کا حصہ  |
|       |  | ڈاکٹر صفرا مہدی  |
|       |  | فراق، دیار شب کا مسافر مرتبہ: پروفیسر شمیم حنفی        |
|       |  | بیاں اور اختر سعید خاں                                 |
|       |  | لفظوں کی انجمن میں ڈاکٹر سید حامد حسین                 |
|       |  | تعبیر و تفہیم ڈاکٹر خلیق انجم                          |

36/-	انتظار حسین	علامتوں کا زوال	75/-	گرچن چندن	جام جہاں نما
14/-	مرتبہ: مالک رام	تذکرہ معاصرین دوم	45/-	فہمیدہ کبیر	اردو ناول میں عورت کا تصور
40/-	مرتبہ: مالک رام	تذکرہ معاصرین چہارم	75/-	شائستہ خاں	اسرار خودی (فراموش شدہ اڈیشن)
35/-	مرتبہ: پرو فیسر گوپی چند نارنگ	لغت نویسی کے مسائل	51/-	صدیق الرحمن قدوائی	تاثر نہ کہ تنقید
		معاصر ادب کے پیش رو	51/-	طاہر مسعود	یہ صورت گر کچھ خوابوں کے
6/-	پروفیسر علی محمد خسرو	اردو کی تہذیبی معنویت	51/-	ڈاکٹر اسلم پرویز	تحریریں
35/-	ڈاکٹر سلامت اللہ	تحلیل نفسی کے سچ و خم	35/-	وزیر آغا	انشائیہ کے خدو خال
40/-	شمس الرحمن فاروقی	اثبات و نفی	(زیر طبع)	مالک رام	تذکرہ ماہ و سال
48/-	پروفیسر ممتاز حسین	نقد حرف	125/-	مشفق خواجہ	تحقیق نامہ
125/-	ڈاکٹر صفرا مہدی	اکبر کی شاعری کا تنقیدی مطالعہ	51/-	سعید الطغر چغتائی	سحر سے پہلے اور بعد
12/-	بیگم انیس قدوائی	نظرے خوش گزرے	51/-	پروفیسر آل احمد سرور	پہچان اور پرکھ
12/-	علی جواد زیدی	فکر و ریاض	(زیر طبع)	عبدالمغنی	اقبال کا نظریہ خودی
11/-	کبیر احمد جاسی	بازگشت	10/-	جیل جالبی	قلندر بخش جزأت
21/-	آنند نارائن طا	کچھ نثر میں بھی	(زیر طبع)	وارث علوی	جدید افسانہ اور اس کے مسائل
	ڈاکٹر عابد حسین	انشائیات	27/-	قاسم علی نیشاپوری	تاریخ اودھ
10/-	ڈاکٹر یوسف حسین خاں	حسرت کی شاعری	33/-	ظ۔ انصاری	مولانا آزاد کا ذہنی سفر
22/-	ضیاء احمد بدایونی	مسائل و منازل	60/-	ڈاکٹر وزیر آغا	تنقید اور جدید اردو تنقید
16/-	پروفیسر محمد مجیب	انگارشات	51/-	مالک رام	کچھ مولانا آزاد کے بارے میں
24/-	پروفیسر شمیم حنفی	کہانی کے پانچ رنگ	75/-	مولانا ابوالکلام آزاد	لسان الصدق
15/-	ضیاء الحسن فاروقی	جدید ترکی ادب کے ارکان	48/-	پروفیسر عنوان چشتی	اردو میں کلاسیکی تنقید
	آل احمد سرور	نظر اور نظریے	40/-	پروفیسر حامد ی کا شمیری	تفہیم و تنقید
90/-	آل احمد سرور	سرت سے بصیرت تک	101/-	مرتبہ: مالک رام	نذر مختار
60/-	آل احمد سرور	تنقید کیا ہے	60/-	مالک رام	تحقیقی مضامین
36/-	داؤد رہبر	باتیں کچھ سریلی	(زیر طبع)	مجیب رضوی	خسرو نامہ
40/-	مرتبہ: سید ظہیر الدین مدنی	اردو اینرز	75/-	شمس الرحمن فاروقی	تحفہ السرور
4/50	خواجہ غلام السیدین	روح تہذیب	45/-	مرتبہ: مظفر حنفی	جائزے
15/-	پروفیسر ثارا احمد فاروقی	دراسات	25/-	صدیقہ بیگم	نقد بجنوری
21/-	شاہ عبدالسلام	دبستان آتش	15/-	ڈاکٹر محمد حسن	ادبی سماجیات
			(زیر طبع)	غلام ربانی	الفاظ کا مزاج
			15/-	محمد ہدایت اللہ	تقریر و تعبیر
			(زیر طبع)	شمس الرحمن فاروقی	افسانے کی حمایت میں



